متفرق مصنفین کے ڈرامے

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : مئی ۱۹۷۳ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

مطبع : زرین آرٹ پریس
۶۱ - ریلوے روڈ ، لاہور

سرورق وغیرہ : مطبع عالیہ ، ۱۲۰ میکلوڈ روڈ ، لاہور

قیمت : چودہ روپے

بعون صانع بیچون و مکان و فضل خالق زمین و زمان

۱۰۵

اردو کا کلاسیکی ادب

[illegible]ق [illegible]

کے

ڈرامے

مرتبہ

سید امتیاز علی تاج

ناشر

مجلس ترقی ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

ڈاکٹر محمد اسلم قریشی صاحب

کے نام

جلد یازدہم

متفرق مصنّفین کے ڈرامے

فہرست

تعارف : از پروفیسر حمید احمد خاں - - - - - - ۷

دیباچہ : از پروفیسر سید وقار عظیم - - - - - ۱۱

عباس علی : از پروفیسر سید وقار عظیم - - - - - ۱۵

تبصرہ گلرو زرینہ : از پروفیسر سید وقار عظیم - - - - ۲۵

ڈراما گلرو زرینہ : از عباس علی - - - - - - ۶۱

نظیر بیگ : از پروفیسر سید وقار عظیم - - - - - ۲۰۵

تبصرہ فسانۂ عجائب : از پروفیسر سید وقار عظیم - - - ۲۱۷

ڈراما فسانۂ عجائب : از نظیر بیگ - - - - - ۲۳۷

☆ ☆ ☆

تعارف

امانت کی 'اِندر سبھا' سے لے کر آغا حشر اور اُن کے ڈراما نگار معاصرین کی تصانیف تک، ہماری ادبی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ گزرا جس میں اُردو ڈراما قارئینِ ادب کی توجّہ سے یکسر محروم رہا۔ اِس مدّت میں ڈراما صرف ناٹک کی حیثیّت سے دیکھا اور سنا جاتا تھا، ادب کی حیثیّت سے پڑھا نہیں جاتا تھا۔ ساٹھ ستّر برس کے اِس دور میں پارسی تھیٹریکل کمپنیوں کے ''کھیل'' مقبولِ عام تھے۔ یہ ''کھیل'' یا ناٹک بالعموم گھٹیا کاغذ پر چھپ کر بازار میں تو آ جاتے تھے مگر ان کی طبعِ ثانی کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی تھی۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پرانے ناٹک عہدِ حاضر کے قارئین کے لیے نایاب ہو کر رہ گئے ہیں۔

سیّد امتیاز علی تاج مرحوم کو ڈرامے کی روایت سے جو تعلّقِ خاطر تھا، اُس کی بنا پر اُنھوں نے تاریخِ ادب کے اِس خلا کو شدّت سے محسوس کر کے اسے پُر کرنے کا تہیّہ کیا۔ چنانچہ اُنھوں نے برسوں کی محنت کے بعد بہت سے معروف و غیر معروف ڈراما نگاروں کے لکھے ہوئے سو ڈیڑھ سو متن مہیّا کر لیے اور ان کے بڑے حصے کو بہ اہتمامِ تعارف و تحشیہ شائع کرنے کی غرض سے ایک جامع منصوبے کی داغ بیل ڈالی۔ اس منصوبے میں تقریباً ایک سو ڈراموں کی اشاعت مدّ نظر تھی جو تیس جلدوں میں تقسیم کیے گئے تھے۔

پورے منصوبے کی تکمیل کے لیے سیّد امتیاز علی تاج نے نہ صرف ڈراموں کے مسوّدے فراہم کرکے تیس جلدوں میں ان کی تقسیم کا خاکہ تیار کر لیا تھا ، بلکہ ان تیس جلدوں کی ترتیب کے سلسلے میں بعض جزئیات تک طے کر دی تھیں ؛ مثلاً یہ کہ ہر جلد کا انتساب کس شخص کے نام ہو۔

مجوّزہ تیس جلدوں میں سے پہلی چھ جلدیں ، جو اٹھارہ ڈراموں پر مشتمل ہیں ، مرحوم کی زندگی میں شائع ہوگئیں ۔ ایک اور جلد (جلد ہشتم) ، جس کی ترتیب مرحوم نے مکمّل کر دی تھی ، اُن کی وفات کے بعد چھپی ۔ لیکن پہلی چھ جلدوں کے علاوہ باقی جلدیں ابھی طبع نہیں ہوئی تھیں ، اور ان میں شامل ہونے والے ڈراموں میں ستّر بہتّر ڈراموں پر نظر ثانی اور تبصرہ و تحشیہ کا کام ابھی باقی تھا کہ سیّد امتیاز علی تاج کا رشتۂ حیات ناگہانی طور پر منقطع ہو گیا ۔ اس سانحے کے بعد مجلسِ ترقیٔ ادب نے فیصلہ کیا کہ مرحوم کے ہاتھوں جو کام شروع ہوا تھا ، وہ جاری رہنا چاہیے ۔ چنانچہ باقی ماندہ تئیس جلدوں کو مطبع کے لیے تیار کرنے کا کام پروفیسر سیّد وقار عظیم کے سپرد کیا گیا ۔ اُنھوں نے مجلس کی دعوت کو نہ صرف اُردو ادب کی خدمت ، بلکہ ایک مرحوم دوست کی خدمت ، سمجھ کر بطیبِ خاطر قبول فرمایا ۔

جن سات جلدوں کا ذکر اوپر ہوا ان کے علاوہ اس سلسلے کی جتنی بھی جلدیں شائع ہو رہی ہیں ، ان میں صرف چند ابتدائی جلدوں کی جزوی ترتیب یا جزوی تحشیہ سید امتیاز علی تاج مرحوم کر چکے تھے ۔ یہ کیفیت قارئینِ کرام پر اِن چند مذکورہ جلدوں

کے مندرجات کے ملاحظے سے خود بخود آشکار ہوگی ۔ ساتویں سے نیسویں جلد تک (بہ استثنائے جلدِ ہشتم) فراہم شدہ مسوّدات کی نظر ثانی ، اور متن سے متعلق تعارف ، تحشیے اور تبصرے کا تقریباً پورا کام پروفیسر سید وقار عظیم کی توجّہ اور اِنہماک کا شرمندۂ احسان ہے ۔ با ایں ہمہ پہلی چھ سات جلدوں کے مرتّب کو پورے منصوبے کی تکمیل سے جو بنیادی تعلّق ہے اسے موت کا ہاتھ بھی قطع نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ اِس سلسلے کی ہر کتاب کے سرورق پر مرحوم کا نام اُسی طرح موجود ہے جس طرح اُن کی زندگی میں لامحالہ موجود ہوتا ۔ نیز ہر جلد کا انتساب مرحوم ہی کی طرف سے اُن تحریری اشارات کی روشنی میں شائع ہو رہا ہے جو مرحوم کی وفات کے بعد مجلس کو متعلّقہ کاغذات میں دستیاب ہوئے ۔

حمید احمد خاں

ناظم

۳۰- جون ۱۹۷۱ء

دیباچہ

کلاسیکی ڈراموں کے سلسلے کی یہ جلد ، جو ترتیب کے لحاظ سے گیارھویں ہے ، تاج صاحب مرحوم نے متفرق ڈراموں کے لیے مخصوص کی تھی ۔ ان کی مرتّب کی ہوئی فہرست میں اس جلد کے لیے جو ڈرامے منتخب کیے گئے ہیں ان کے نام یہ ہیں :

(۱) جامِ جہاں نما	از عباس علی
(۲) فسانۂ عجائب	از نظیر بیگ
(۳) سیرِ پرستان	از غلام علی دیوانہ
(۴) گلرو زرینہ	از کابراجی ؟

اس سلسلے کی جلدوں میں بالعموم تین تین ڈرامے شامل کیے جاتے رہے ہیں اس لیے مندرجہ بالا چار ڈراموں میں سے پہلے ، یعنی جامِ جہاں نما کو چھوڑ کر باقی تین ڈرامے میں نے اس جلد کے لیے رکھ لیے ۔ ''فسانۂ عجائب'' اور ''گلرو زرینہ'' کا متن میں نے پہلے دیکھ لیا اور ان دونوں پر تبصرہ بھی ساتھ کے ساتھ لکھ ڈالا ۔ اس کے بعد ''سیرِ پرستان'' کا متن پڑھنا شروع کیا اور حسبِ استطاعت اسے درست بھی کیا ، لیکن ڈراما پڑھتے وقت برابر یہ محسوس ہوتا رہا کہ اس ڈرامے کے کچھ حصے اس سے پہلے کہیں نہ کہیں پڑھ

چکا ہوں ۔ ذہن پر زور دینے کے باوجود یاد نہ آیا ۔ لیکن "سیرِ پرستان" کے متن میں ایک چیز ایسی تھی جس نے تلاش کا ایک راستہ دکھایا ۔ اس ڈرامے کے گانوں میں جہاں جا بجا دیوانہ کا تخلص استعمال ہوا ہے ، کہیں کہیں حباب کا تخلص بھی آیا ہے ۔ دیوانہ چونکہ حباب کے شاگرد ہیں اس لیے خیال ہوا کہ شاید انھوں نے اپنے استاد کی بعض چیزیں تبرکاً اپنے ڈرامے میں شامل کر لی ہیں ، تاہم شبہ رفع کرنے کے لیے میں نے حباب کے ڈراموں والی جلد اٹھائی ۔ فہرست دیکھی تو اس میں "سیرِ پرستان" کا نام موجود تھا ۔ ورق اُلٹ کر ڈراما پڑھنا شروع کیا تو لفظ بہ لفظ وہی تھا جو متفرق ڈراموں کی فائل میں رکھا ہوا ملا تھا ۔ یہ بات دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ پہلے تاج صاحب نے جس ڈرامے کو دیوانہ کا ڈراما سمجھا تھا ، آگے چل کر اسے حباب کی تصنیف قرار دیا اور اسے حباب کی جلد میں شامل کر دیا ، لیکن "سیرِ پرستان" کا مسودہ فائل ہی میں پڑا رہا ۔

ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال پیدا ہونے کے بعد "سیرِ پرستان" کو اس جلد میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا ، چنانچہ اسے خارج کر دیا اور سوچا کہ اس کے بجائے "جامِ جہاں نما" کو جلد کا تیسرا ڈراما بنا لیا جائے ، لیکن تاج صاحب مرحوم کے کاغذات میں "جامِ جہاں نما" موجود نہیں ۔ لاہور کی کسی لائبریری میں بھی نہیں ملا ۔ ممکن ہے تلاش کے بعد یہ ڈراما کہیں نہ کہیں سے مل جائے ، لیکن معلوم نہیں کب ۔ یہ سوچ کر کہ جب کبھی ملے گا تو اسے کسی اور متفرق جلد میں شامل کر دیا جائے گا ، سرِ دست گیارھویں

جلد میں صرف دو ہی ڈرامے رکھے گئے ۔ ''فسانۂ عجائب'' اور ''گلرو زرینہ'' ۔ دو ڈراموں کی یہ متفرق جلد قارئین کی خدمت میں پیش ہے ۔

وقار عظیم

۸ جولائی ۱۹۷۲ء

عباس علی

کلاسیکی ڈراموں کی گیارھویں جلد کے لیے جو تین ڈرامے منتخب کیے گئے اُن میں سے ایک 'گلرو زرینہ' ہے۔ تاج صاحب مرحوم نے اپنے کاغذات میں 'گلرو زرینہ' کی جو نقل کروا کے رکھی تھی اُس کے سرورق پر اپنے ہاتھ سے 'کابرا جی' کا نام لکھا ہے۔ اُردو تھیٹر میں 'کابرا جی' نام کے تین ڈراما نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱) بہمن جی نوروز جی کابرا جی (۲) کیخسرو نوروز جی کابرا جی اور (۳) نادر شاہ نوروز جی کابرا جی۔

(۱) نادر شاہ نوروز جی کابرا جی کے متعلق نامی صاحب نے ذیل کی معلومات فراہم کی ہیں :

"جمشید مصنفہ کیخسرو کابرا جی سے متاثر ہو کر وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے نئے حصہ دار دوسا بھائی فرام جی نے جب یہ مشورہ دیا کہ جو شخص بہترین ڈراما لکھے گا اُس کو تین سو روپے انعام دیے جائیں گے (۱۸۷۰ع)، تو بہت سے پارسیوں نے قسمت آزمائی کی۔ انھی میں کیخسرو کابرا جی کے بھائی نادر شاہ بھی تھے، جنھوں نے "شہزادہ شیاوکس" کے نام سے ایک ڈراما لکھا۔ یہ ڈراما بہت پسند کیا گیا۔" (اُردو تھیٹر، جلد دوم، ص ۳۴)

نادر شاہ کابرا جی "نوجوان زرتشت" کے نام سے اخبارات

میں مضامین لکھتے تھے ۔ (آردو تھیٹر ، جلد دوم ، ص ۳۴)

(۲) بہمن جی نوروز جی کابرا جی کے متعلق نامی صاحب لکھتے ہیں :

کابرا جی ، بہمن جی ، نوروز جی :

۱۔ بھولی گل عرف گل کی بھول ۔

۲۔ گاؤں کی گوری ۔

۳۔ دورنگی دنیا ۔ (آردو تھیٹر ، جلد دوم ، ص ۱۹)

نامی صاحب نے اس کے بعد ''بھولی گل عرف گل کی بھول'' کی تھوڑی سی تفصیلات بیان کر کے ''دورنگی دنیا'' کے متعلق لکھا ہے کہ بہمن جی کابرا جی نے یہ ڈراما پارسی ناٹک منڈلی (۱) کے لیے لکھا جو بہت کامیاب رہا ۔ (حوالۂ بالا ، ص ۲۰)

(۳) کیخسرو نوروز جی کابرا جی کے متعلق نامی صاحب نے زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے (دیکھیے آردو تھیٹر ، جلد دوم ، ص ۲۰ اور آگے) ۔ نامی صاحب لکھتے ہیں :

''کیخسرو نوروز جی آن خوش قسمت مصنفین میں سے تھے جن کو زندگی ہی میں شہرت نصیب ہوئی ۔ آنھوں نے بیشتر ڈرامے خود ڈائرکٹ کیے ۔ یہ ڈرامے بہت مقبول ہوئے اور مشہور کمپنیوں نے بڑی بڑی قیمتیں دے کر خرید کیے ۔''

اس کے بعد کیخسرو نوروز جی کے (ڈراموں کی) فہرست دی گئی ہے ،

جس میں چودہ ڈراموں کے نام ہیں ۔ ان چودہ ڈراموں میں سے کسی کا نام ''گلرو زرینہ'' نہیں ۔ البتہ پہلے ڈرامے کا نام ''بیزن و منیزہ'' ہے جو بقول نامی صاحب ۱۸۶۹ع میں لکھا گیا ۔ تلاش کرنے پر ''گلرو زرینہ'' کا نام ایک اور ڈراما نگار سید میر عباس علی کے نام کے ساتھ ملتا ہے ۔ ان عباس علی کا ذکر اُردو تھیٹر کی جلد دوم کے ص ۱۳۴ پر موجود ہے ۔ اس ذکر میں جن تین ڈراموں کے نام لکھے گئے ہیں اُن میں سے پہلا ''خوش رو حسینہ عرف گلرو زرینہ'' ہے ۔ ''خوش رو حسینہ عرف گلرو زرینہ'' کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے نامی صاحب لکھتے ہیں :

> ''اس ڈرامے کا پلاٹ افسوں مراد آبادی کے ڈرامے 'خوشرو حسینہ عرف اُلفت کا نگینہ' سے ماخوذ ہے ۔ عباس علی نے اسے اپنے الفاظ میں تحریر کیا ہے ۔''

اس بیان کی تائید اور وضاحت اُن معلومات سے ہوتی ہے جو اُردو تھیٹر کی جلد دوم کے ص ۵۴ پر ملتی ہیں ۔ نامی صاحب لکھتے ہیں :

> افسوں مراد آبادی ، مرزا محمد کاظم ۔
>
> ۱۔ خوشرو حسینہ عرف اُلفت کا نگینہ (۱۸۹۳ع) ۔
>
> ۲۔ ناراں عرف ترازوئے اعمال یا جنگ بلغاریہ ۔
>
> ۳۔ لیلیٰ مجنوں عرف ستارۂ منگریلیا ۔

خوشرو حسینہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے نامی صاحب نے اپنی بات یہ کہہ کر شروع کی ہے کہ ''یہ عجیب و غریب ناٹک دراصل شاہنامۂ فردوسی سے لیا گیا ہے ۔ فردوسی نے یہ بیان 'بیزن و منیزہ'

کی داستان سے نامزد کیا ہے۔''

اوپر میں نے گلرو زرینہ ، خوش رو حسینہ اور بیژن و منیژہ کے متعلق جو باتیں لکھیں اُن کی کڑیاں جوڑی جائیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :

(۱) گلرو زرینہ ، خوش رو حسینہ اور بیژن و منیژہ ایک ہی پلاٹ پر لکھے ہوئے تین ڈراموں کے نام ہیں اور تین مختلف ڈرامہ نگاروں نے انھیں اپنے اپنے انداز میں لکھا ہے۔

(۲) سب سے پہلے کیخسرو نوروز جی کابرا جی نے اسے ''بیژن و منیژہ'' کے نام سے لکھا۔

(۳) ''بیژن و منیژہ'' کے قصے کو افسوں مراد آبادی نے ڈرامے کی شکل دی تو اُس کا نام خوش رو حسینہ (عرف اُلفت کا نگینہ) رکھا۔ (ممکن ہے کابرا جی کا بیژن و منیژہ ان کی نظر سے گزرا ہو ، لیکن اس کی کوئی شہادت موجود نہیں)۔

(۴) ''گلرو زرینہ'' سید عباس علی کا لکھا ہوا ہے اور انھوں نے افسوں مراد آبادی کے ''خوشرو حسینہ'' کو اس کی بنیاد بنایا ہے۔ یہ بات اس طرح بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کے نام کے ساتھ ''خوشرو حسینہ'' کا نام بھی شامل ہے اور اس طرح بھی کہ گلرو زرینہ اور خوشرو حسینہ کے پلاٹ میں بہت کم فرق ہے۔ یہ بات زیادہ وضاحت سے اُس وقت سامنے آئے گی جب گلرو زرینہ پر الگ تبصرہ کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا نتائج کو پیش نظر رکھا جائے تو گلرو زرینہ کے نقل شدہ متن پر کابرا جی کا نام لکھے جانے کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ شاہ نامے کے اس ضمنی قصے کو ڈرامے کی شکل سب سے پہلے کابرا جی نے دی اور اسی قصے کو آگے چل کر خوشرو حسینہ اور گلرو زرینہ کا نام ملا ۔ لیکن جیسا کہ معلوم ہے کابرا جی کا ڈراما ۱۸۷۰ع میں لکھا گیا ، اور گلرو زرینہ کے موجودہ متن کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۷۰ع کے بہت بعد کا لکھا ہوا ہے اور اُس کے متعلق نامی صاحب کی یہ روایت درست ہے کہ اُس کے مصنف سید عباس علی ہیں ۔ اس بات کی تائید عشرت رحمانی صاحب کی کتاب 'اُردو ڈراما' تاریخ و تنقید ، سے بھی ہوتی ہے ۔

عشرت صاحب نے اپنی کتاب میں دو جگہ ان کے حالات لکھے ہیں ۔ ایک جگہ (کتاب محولہٗ بالا ، ص ۲۳۹) لکھتے ہیں :

''سید عباس (علی) جوبلی تھیٹریکل کمپنی کے ڈائرکٹر اور چیف ایکٹر تھے ۔ انھوں نے کمپنی کے لیے دو ڈرامے (۱) گلرو زرینہ اور (۲) جام جہاں نما لکھے ۔ وہ زیادہ تعلیم یافتہ اور مستند شاعر و ادیب نہ تھے مگر اس فن میں خاص مہارت رکھتے تھے ، اس لیے اُن کے دونوں ڈرامے مشہور اور کامیاب ہوئے ، خصوصاً گلرو زرینہ ، جس میں وہ خود رستم کا کردار ادا کرتے اور اس ڈرامے میں اُن کی بے مثال اداکاری نے چار چاند لگا دیے تھے ۔''

کتاب کے ایک اور حصے میں اُن کی المناک موت کی تفصیل بیان کی

گئی ہے (کتاب محولہ بالا ، ص ۱۹۰) ۔ عشرت صاحب کا بیان ہے کہ رام پور کے نواب حامد علی خاں نے سرکاری قلعے کے سامنے تھیٹر کے لیے ایک شاندار عمارت تعمیر کروائی تھی ۔ یہاں اچھے اچھے ڈرامے اسٹیج کیے جاتے تھے ۔ کچھ عرصے بعد نواب صاحب کا جی اس شغل سے بھر گیا اور جو کمپنی رام پور میں قائم ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی ۔ اس کمپنی کے منتظم اعلیٰ صاحب زادہ محمود علی خاں تھے ۔ وہ نواب صاحب کے عزیز اور پرائیویٹ سکرٹری تھے ۔ کمپنی ٹوٹ گئی تو صاحب زادہ صاحب کچھ ممتاز فن کاروں کو لے کر دہلی چلے گئے اور وہاں "جوبلی تھیٹر" کے نام سے (کمپنی) قائم کی ۔ سید عباس علی بھی ان کے ساتھ تھے اور اپنے ڈرامے 'گلرو زرینہ' میں رستم کا پارٹ ادا کرتے تھے ۔ کمپنی نے دہلی میں بہت شہرت حاصل کی ، لیکن کچھ عرصے بعد مالک کی بے توجہی اور شاہ خرچیوں کی وجہ سے بہت زیر بار ہو گئی ۔ اس زمانے میں سید عباس علی بیمار تھے ۔ اُن کا آپریشن ہوا تھا اور اُنھیں چلنے پھرنے کی بالکل اجازت نہیں تھی ۔ لیکن جب اُنھیں کمپنی کی زبوں حالی کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے جان پر کھیل کر اسے بچانے کا فیصلہ کیا اور اُن کی طرف سے یہ اعلان ہو گیا :

> "آج شب کو ساڑھے نو بجے ، کمپنی کا مشہور و معروف ڈراما گلرو زرینہ خاص شان و اہتمام اور زرق برق سین سینری کے ساتھ پیش کیا جائے گا ، جس میں اس کمپنی کے ڈائرکٹر ایکٹر سید عباس علی عباس اپنا مخصوص رستم کا پارٹ ادا کریں گے ۔"

عشرت صاحب کا بیان ہے کہ تماشا ہوا اور سید عباس علی نے اُس میں رستم کا پارٹ ادا کیا ، لیکن زور پڑنے سے اُن کے زخموں کے ٹانکے ٹوٹ گئے ۔ وہ صاحب فراش ہو گئے اور بالآخر اس دنیا سے رخصت ہوئے ، اور اُن کی وفات کے بعد کمپنی بھی ٹوٹ گئی ۔

سید عباس علی عباس کی تاریخ وفات معلوم نہیں ۔ صرف قیاس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا انتقال انیسویں صدی کے بالکل آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں کے درمیان ہوا ۔ اس قیاس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں :

(۱) جس جوبلی تھیٹر کے ساتھ عباس علی رام پور سے دہلی گئے تھے اُس کی ابتدائی صورت وہ کمپنی ہے جو نواب صاحب رام پور نے انیسویں صدی کے آخر میں رام پور میں قائم کی تھی ۔

(۲) دہلی میں یہ کمپنی زیادہ عرصے تک نہیں چلی ۔ اسے دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش مں سد عباس علی دوبارہ بیمار پڑ گئے اور بالآخر اسی تکلیف میں اُن کا انتقال ہوا ۔

(۳) افسوں مراد آبادی کے جس ڈرامے (خوشرو حسینہ) پر عباس علی نے اپنے ڈرامے گلرو زرینہ کی بنیاد رکھی اُس کا سنہ طباعت نامی صاحب نے ۱۸۹۳ع بتایا ہے (اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، ص ۹۴ ، حالات افسوں مراد آبادی) ۔

(۴) گلرو زرینہ کا جو ایڈیشن مہا دیو رام جاگشتے نے گجراتی میں چھاپا اور جس پر مصنف کا نام سید عباس علی چیف ایکٹر دی گولڈن جوبلی تھیئٹریکل کمپنی، لکھا ہے ، اس کا سنہ طباعت ۱۹۰۶ء ہے -

وقار عظیم

گلرو زرینہ

مصنّفہ

سید عباس علی

تبصرہ

'گلرو زرینہ' کے متعلق تعارفی بحث کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ گلرو زرینہ ، خوش رو حسینہ اور بیزن و منیزہ ایک ہی پلاٹ پر لکھے ہوئے تین ڈراموں کے نام ہیں اور تین مختلف ڈراما نگاروں نے انھیں اپنے اپنے انداز میں لکھا ہے۔ اسی تعارفی بحث میں یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے کہ مذکورہ پلاٹ شاہنامے کے ایک ضمنی قصے سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس لیے قبل اس کے کہ 'گلرو زرینہ' کا مختلف حیثیتوں سے جائزہ لیا جائے ، اس بات کی تفصیل کا جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ہمارے ابتدائی ڈراما نگاروں کو شاہ نامے سے تعلق رکھنے والے قصوں سے بہت دلچسپی تھی۔ چنانچہ ان کی جتنی ڈرامائی تخلیقات کا ذکر جا بجا کیا گیا ہے ، یا جن کے متن محققوں کے مطالعے میں آئے ہیں ان میں شاہ نامے سے ماخوذ ڈراموں کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر نامی نے اردو تھیٹر کی جلد اول کے صفحہ ۲۸۶ پر پارسیوں کی ڈرامے سے دلچسپی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"پارسیوں نے انگریزی اور گجراتی ڈرامے دکھلانے کے بعد تاریخ ایران سے ماخوذ ڈرامے گجراتی میں دکھلانے شروع کیے" — چنانچہ "جس وقت اردو ڈرامے نے آغازِ جوانی میں قدم رکھا اس وقت گجراتی میں تاریخ ایران

کے مندرجہ ذیل ڈرامے عموماً اور شاہ نامۂ فردوسی سے ماخوذ خصوصاً اسٹیج کیے جا چکے تھے ۔''[1]

ناسی صاحب نے اس کے بعد جن ڈراموں کے نام لیے ہیں وہ یہ ہیں :

خسرو شیریں ، بیژن و منیژہ ، رستم و سہراب ، جمشید ، شاہزادہ شیاوکس ، فریدوں ، گوگوشپ ، یزدگرد شہریار ، برجور مہر سیمیں عذرا ۔

اسی کتاب[2] کے صفحہ ۲۵۸ پر ''ڈراما سوسائٹی کا مقابلہ'' اور صفحہ ۲۵۹ پر ''ڈراما کلبوں میں معرکہ آرائی'' کے عنوان سے جو معلومات فراہم کی گئی ہیں اُن سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پارسیوں کو شاہ نامے کے موضوعات سے بے حد دلچسپی تھی ۔ کلبوں کی معرکہ آرائی کے سلسلے میں وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے متعلق نامی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ''بڑی کمپنیوں میں شمار ہوتی تھی ۔ ۱۸۶۹ع میں اُس نے 'بیژن منیژہ' ، ۱۸۷۰ع میں 'جمشید' اور ۱۸۷۱ع میں 'رستم و سہراب' اسٹیج کر کے اپنی شہرت کو چارچاند لگا دیے تھے . . . زوراسٹرین کلب بھی کامیابی اور ترقی کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں تھا ، اُس نے . . . وکٹوریہ منڈلی سے برابر کی ٹکر لی تھی اور ایرانی ناٹک منڈلی کے 'رستم اور برجور' الفریڈ کے 'شہزادہ شیاوکس' اور پرشین زوراسٹر کے 'مہر اور سیمیں عذرا' کے ساتھ اپنے لیے مساوی جگہ پیدا کر لی تھی ۔''

۱۔ اُردو تھیٹر ، جلد اول ، صفحہ ۲۸۶ ۔
۲۔ اُردو تھیٹر ، جلد اول ۔

ڈراما نویسی کے مقابلے سے متعلق بھی جو باتیں لکھی گئی ہیں اُن سے قارئین کو ڈرامے سے پارسیوں کی دلچسپی کے علاوہ اس بات کا علم بھی ہوگا کہ اُنھوں نے ایرانی تاریخ کے موضوعات (خصوصاً شاہنامے سے ماخوذ) کو بڑے شوق اور انہاک سے ڈراموں میں جگہ دی ۔ ان مقابلوں کا ذکر کرتے ہوئے نامی صاحب لکھتے ہیں :

''وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے رستم اور بیزن منیزہ کے پچاس شب 'مسلسل شو کے بعد' اور کابراجی کے دوسرے ڈرامے 'جمشید' کی مقبولیت کے بعد پارسی ڈراما نویسوں میں ڈرامائی ذوق پیدا ہوا اور اُنھوں نے یہ اعلان کیا کہ وہ بھی اس میدان میں قدم رکھیں گے ۔''

اس کے بعد اخبار میں اعلان ہوا کہ ڈراما نویس ، ڈرامے لکھ کر پیش کریں ۔ بہترین ڈراما نویس کو تین سو روپے انعام دیا جائے گا ۔ اعلان کے جواب میں متعدد ڈرامے وصول ہوئے ۔ ان میں سے کئی کا موضوع 'جمشید' تھا ۔ باقی ڈرامے بھی شاہنامے کے مختلف حصوں کی بنیاد پر لکھے گئے تھے ۔ اس مقابلے میں جمشید جی کھوری کا لکھا ہوا ڈراما 'رستم و سہراب' بہترین قرار دیا گیا اور انعام کا مستحق ٹھیرایا گیا ۔[1]

ڈراما نویسی کے مقابلے کے متعلق نامی صاحب کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ، اُس سے پتا چلتا ہے کہ کیخسرو کابراجی کے 'بیزن منیزہ' کو اسٹیج پر بہت مقبولیت حاصل ہوئی تھی اور وہ پچاس

۱۔ اس سلسلے میں تفصیلی معلومات اُردو تھیٹر کی جلد اول کے صفحات ۲۵۸ اور ۲۵۹ پر ملاحظہ فرمائیے ۔

راتوں تک مسلسل اسٹیج پر پیش کیا جاتا رہا تھا اور مقابلے کی
تفصیل نامی صاحب ہی کے حوالے سے پیش کی گئی اُس سے معل
ہوتا ہے کہ مقابلے کے لیے جو ڈرامے داخل کیے گئے تھے اُن م
'رستم و سہراب' کو بہترین سمجھ کر تین سو روپے میں اُس
حقوق حاصل کر لیے گئے تھے ۔ 'بیژن منیژہ' اور 'رستم و سہراب'
مقبولیت ہمارے ڈرامے کی تاریخ میں بعد تک قائم رہی ، اور ان دون
میں بھی 'رستم و سہراب' کو خصوصاً ڈراما نگاروں نے اپنی تو
اور دلچسپی کا مرکز رکھا ۔ لیکن 'رستم و سہراب' کی مسلس
مقبولیت کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ، البتہ 'بیژن منی
کی مقبولیت کا تھوڑا سا ذکر بے محل نہیں ہوگا ۔

کیخسرو کابراجی کا 'بیژن و منیژہ' ۱۸۶۹ع میں چھپا ۔
کے ڈراموں کی جو فہرست 'اُردو تھیٹر' جلد دوم کے صفحات ۲۰
۲۱ پر چھپی ہے اُس میں چودہ ڈراموں کے نام ہیں ۔ ان میں پ
'بیژن و منیژہ' ہے ۔ کابراجی کے متعلق جو مختلف باتیں نامی صاح
کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہیں اُن سے پتا چلتا ہے کہ وہ "اچ
اداکار ، ڈراما نویس اور ماہر موسیقی بھی تھے ۔"[1] انھوں نے "گجر
اُردو اور پارسی اسٹیج کی گراں قدر خدمات انجام دیں ۔"[2] کابرا
"ایک مخلص شخص تھا ۔ اُس کی خواہش تھی کہ فن ڈراما ترقی کرے'
'پارسی وکٹوریہ کلب' ، جس کا نام بعد میں 'وکٹوریہ ناٹک منڈلی' ہو

۱- اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۲۳ ۔
۲- اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۲۴ ۔
۳- اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۲۷ ۔

انھیں کی کوششوں سے قائم ہوا ۔ اس کلب کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنے کے لیے کابراجی نے 'بیزن و منیزہ' لکھا اور اسے بڑی کامیابی سے اسٹیج کیا ۔ اس ڈرامے میں جو پارسی نوجوان منیزہ کا پارٹ ادا کرتا تھا ، اور اسی پارٹ کی کامیابی کی بنا پر لوگ پیار سے اُسے 'حمشو منیز' کہتے تھے ، اُس نے ایک مرتبہ پارٹ کرنے سے انکار کر دیا تو یہ پارٹ کابراجی نے خود ادا کیا ۔[۱]

ان سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'بیزن و منیزہ' کے پلاٹ میں یقیناً کوئی ایسی کشش تھی کہ کابراجی جیسے نکتہ سناس نے اپنی ڈراما نگاری کا آغاز اُس سے کیا اور ڈرامے کو اُس عہد کے تماشائیوں میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ۔ 'بیزن و منیزہ' کی انھی خصوصیات کی بنا بر اُردو کے دوسرے ڈراما نگاروں نے بھی آگے چل کر اس کی طرف توجہ کی ۔ شاہنامے سے ماخوذ جتنے ڈراموں کا تعارفی صفحات میں ذکر آ چکا ہے اُن میں سہراب و رستم کے علاوہ صرف بیزن و منزہ ہی ہے جسے ایک سے زیادہ ڈراما نگاروں نے قابلِ توجہ سمجھا اور پہلے افسوں مراد آبادی نے ۱۸۹۳ع میں اور اس کے بعد عباس علی نے بیسویں صدی کے شروع میں اسے اسٹیج کے لیے لکھا ۔ یہ دونوں ڈراما نگار ہمارے بعض دوسرے ڈراما نگاروں مثلاً ظریف ، حافظ عبداللہ ، مرزا نظیر بیگ ، محشر انبالوی ، بیتاب بریلوی ، احسن لکھنوی ، رونق بنارسی ، طالب بنارسی اور آغا حشر وغیرہ کی طرح بسیار نویس نہیں ہیں ۔ تینوں نے صرف تین تین ڈرامے

۱۔ مزید تفصیلات کے لیے اُردو تھیٹر ، جلد دوم (صفحات ۲۵ تا ۲۷) ملاحظہ کیجیے ۔

لکھے - اس کے باوجود دونوں کی نظر انتخاب بیزن منیزہ والے پلاٹ پر پڑی - علاوہ بریں یہ کہ جہاں کہیں دونوں ڈراما نگاروں کے تینوں ڈراموں کی فہرست دی گئی ہے اس میں سر فہرست خوشرو حسینہ عرف اُلفت کا نگینہ و گلرو زرینہ کا نام ہے اور یہ نام جیسا کہ معلوم ہے بیزن و منیزہ والے پلاٹ کے ڈرامے کا نام ہے -

'بیزن و منیزہ' کے پلاٹ کا ذکر آیا تو دوسری باتوں پر بحث کرنے سے پہلے اس بات کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'بیزن و منیزہ' اور پھر خوشرو حسینہ میں کرداروں کے جو نام آئے ہیں اُن کی اصل حیثیت کیا ہے - نامی صاحب نے افسوں کے ذکر میں (اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۵۴ ، ۵۵) خوشرو حسینہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ عجیب و غریب ناٹک دراصل شاہنامہ فردوسی سے لیا گیا ہے - فردوسی نے یہ داستان بیزن و منیزہ کی داستان سے نامزد کیا ہے - اس ناٹک میں سوائے ناموں کے بدلنے کے دوسری بات کا فرق نہیں ہے - اس میں بجائے 'ایران' ختن اور بجائے 'توران' چین کی سرزمین ہے - 'ضحاک' سے افراسیاب اور 'جہاندار' سے کیخسرو مراد ہے - 'دھونکل' سے گرگین اور 'ضیغم' سے رستم کی یاد ہے -''[۱]

یہ باتیں نامی صاحب نے افسوں کے ڈرامے کے متعلق لکھی ہیں - غلام علی کے ڈرامے میں بھی یہی سب نام ہیں ، بجز اس کے

۱- افسوں مراد آبادی اور عباس علی نے اپنے ڈراموں کا اصل نام تو ''خوشرو حسینہ'' ہی رکھا ہے ، لیکن افسوں کے یہاں اس کی عرفیت ''الفت کا نگینہ'' اور عباس علی کے یہاں ''گلرو زرینہ'' ہے -

کہ اُس میں 'ضیغم' کا نام نہیں آتا ، بلکہ اصل کے مطابق رستم ہی کا نام آتا ہے ۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلام علی نے افسوں کے پلاٹ کو اپناتے وقت اُس میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں ، چنانچہ ضیغم اور رستم کے ناموں کے فرق کے علاوہ پلاٹ میں بھی جابجا فرق ملتا ہے ۔ مثلاً نامی صاحب نے افسوں کے ڈرامے کے پلاٹ کا جو خلاصہ صفحہ ۵۵ پر درج کیا ہے اُس میں کہا گیا ہے کہ دھونکل جب ختن پہنچ کر گلرو کے متعلق اُلٹی سیدھی باتیں بتاتا ہے تو نوذر غصّہ ہوتا ہے اور اُسے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ عباس علی کے ڈرامے کے پلاٹ میں دھونکل کے قتل کرنے کے حکم کا ذکر نہیں اُسے صرف قید کیا گیا ہے ، نوذر کے غصے کی شدت البتہ تفصیل سے ظاہر کی گئی ہے ۔ افسوں کے یہاں کہا گیا ہے کہ رستم سو چیدہ سواروں کو ساتھ لے کر چین کی طرف روانہ ہوتا ہے اور وہاں پہنچ کر پہلے گلرو کو آزاد کراتا ہے اور پھر چین کے دارالخلافہ کو تہس نہس کر دیتا ہے ۔ غلام علی کے ڈرامے میں دارالخلافہ کو تہس نہس کرنے کا ذکر نہیں ۔ ایک اور بات جو افسوں کے پلاٹ میں تو نہیں ملتی لیکن عباس علی کے پلاٹ میں موجود ہے ، یہ ہے کہ رستم چین جاتے وقت دھونکل کو قید خانے سے نکلوا کر اپنے ساتھ لے جاتا ہے ۔

قیاس کہتا ہے کہ جس طرح غلام علی نے افسوں کے پلاٹ میں تھوڑی بہت تبدیلیاں کی ہیں اسی طرح ، اس سے کہیں زیادہ تبدیلیاں مکالموں اور گانوں کی ترتیب میں کی ہوں گی ، لیکن جب تک افسوں اور غلام علی کے متن ساتھ ساتھ رکھ کر نہ دیکھے جائیں قطعاً اندازہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے مکالمے اور گانے کس کس لحاظ سے اور کس حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔

فنی تجزیہ :

گلرو زرینہ کا مطالعہ کرتے وقت پہلی بات جو پڑھنے والا محسوس کرتا ہے اُس کے پلاٹ کی دلچسپی ہے ۔ پلاٹ میں واقعات کی نوعیت اس طرح کی ہے کہ اُسے کامیابی کے ساتھ اچھے ڈرامے کی شکل دی جا سکتی ہے ۔ واقعات میں شروع ہی سے اُلجھنیں رونما ہونے لگتی ہیں اور ان کے آثار چڑھاؤ اور پیچیدگی سے ڈراما دیکھنے یا پڑھنے والے کے دل میں برابر تذبذب پیدا ہوتا رہتا ہے اور وہ اُمید و بیم کی لہروں میں سے گزرتا ہوا ، انجام تک پہنچتا ہے — لیکن اس دلچسپی سے قطع نظر جو بنیادی طور پر اصل قصے میں موجود ہے ، ڈراما نگار نے اپنے عہد کے تماشائی کے نقطہ نظر سے ڈرامے کو مختلف پہلوؤں سے دلچسپ اور دلکش بنایا ہے اور مختلف پہلوؤں میں دو پہلو باقی دوسری چیزوں پر غلبہ رکھتے ہیں — ایک ڈرامے میں گانے کا عنصر اور دوسرے اُس کی پوری فضا پر چھایا ہوا مزاح کا رنگ ۔

گانے :

ڈرامے میں گانوں کو کتنی اہمیت دی گئی ہے اور انھیں کس کس طرح دلچسپ بنایا گیا ہے ، اس کا اندازہ ڈرامے کے بعض مناظر کا تجزیہ کر کے لگایا جا سکتا ہے ۔ سب سے پہلے ، پہلے باب کے پہلے منظر پر نظر ڈالیے ۔ باب خاصا طویل ہے اور اس میں سات فعال کردار اسٹیج پر آتے ہیں—جہاندار شاہ ، گلرو ، اذبک ، دھونکل اور تین دہقانی ۔ خزانچی ، چوبدار ، درباری ، رامشگر اور سہیلیاں ان کے علاوہ ہیں ۔ رامشگر اور سہیلیاں ظاہر ہے کہ صرف گانے کے لیے اسٹیج پر لائے جاتے ہیں ۔ یہ بات صاف ظاہر نہیں ہوتی کہ جن

گانے والوں کو کہیں رامشگر اور کہیں سہیلیاں کہا گیا ہے وہ ایک ہی طائفہ ہے یا الگ الگ دو طائفے ہیں ، بہرحال ان دونوں کو الگ الگ طائفے سمجھیں یا ایک ہی طائفہ جانیں جیسے کہیں رامشگر کہہ دیا گیا اور کہیں سہیلیاں ، تو بھی یہ بات اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ اس طائفے یا ان طائفوں نے کل پانچ گانے گائے ۔ سب درباریوں نے مل کر تین گانے گائے ۔ سب دہقانیوں نے مل کر ایک گانا گایا ، دھونکل نے دو ، گلرو اور جہاندار شاہ میں سے ہر ایک نے تین تین گانے گائے ۔ بعض گانے کرداروں نے مکالموں کی صورت میں گا کر مکمل کیے ہیں ۔ ایسا ایک گانا دھونکل اور اذبک نے مل کر ، دوسرا نوذر اور گلرو نے مل کر ، تیسرا دو درباریوں نے مل کر اور چوتھا شاہ ، گلرو اور دو درباریوں نے مل کر پورا کیا ہے ۔ اس طرح ایک منظر میں گائے جانے والے گانوں کی تعداد اکیس ہو جاتی ہے ۔ گلرو ، دھونکل ، جہاندار شاہ اور نوذر تحت اللفظ میں جو اشعار پڑھتے ہیں وہ ان سے الگ ہیں ۔

اس تجزیے سے ظاہر ہے کہ ڈرامے میں گانوں پر کتنا زور دیا گیا ہے اور اس بات سے خیال ہوتا ہے کہ گانوں کی یہ کثرت ڈرامے کے تماشائیوں کے لیے اکتاہٹ اور بیزاری کا باعث بنی ہوگی ، لیکن غور سے دیکھا جائے تو پتا چل جاتا ہے کہ ڈراما نگار نے اس پہلو پر نظر رکھی ہے اور گانوں کی ترتیب نہ ایک انداز پر کی ہے اور نہ یہ ہونے دیا ہے کہ ایک ہی طرح کے گانے آگے پیچھے ایک ساتھ آ جائیں ۔ یہ بات کس طرح ہوئی اس کی تفصیل بھی پہلے باب کے پہلے منظر کو (جو دربار کا منظر ہے) پیشِ نظر رکھ کر ملاحظہ کیجیے — تفصیل یوں ہے ۔

دربار آراستہ ہے ، سب درباری اپنے اپنے رتبے کے مطابق اپنی جگہوں پر بیٹھے ہیں ۔ بادشاہ دربار میں موجود نہیں ہیں ، اس حال میں پردہ اُٹھتا ہے اور سب درباری کورس کے انداز میں گانا گاتے ہیں ۔ کورس کے اس گانے میں فارسی اور ہندی کے لفظوں کو بے تکلفی کے ساتھ آپس میں ملایا گیا ہے اور اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ کورس ایک خاص لَے میں تال پر گایا جائے ، تال کے اشارے خود گانے ہی کے اندر موجود ہیں ۔ گانے کے فوراً بعد درباری آپس میں گفتگو شروع کرتے ہیں ۔ پہلا درباری شعر پڑھتا ہے ۔ دوسرا درباری جواب میں اسی زمین میں شعر پڑھتا ہے ۔ تیسرا درباری ''رقاصانِ نازنین'' کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

''اے رقاصانِ نازنین ، رشکِ بستانِ چین ! اے رامشگرانِ حسین ! گاؤ ، گاؤ کوئی دلحسپ راگ سناؤ ، شراب میں اپنا رنگ جاؤ ۔''

اس پر آذبک بولتا ہے اور اسی طرح کی مقفٰی زبان استعمال کرتا ہے جیسی تیسرے درباری کی گفتگو میں استعمال ہوئی تھی ۔ اس پر گرو تین مصرعے پڑھتا ہے (قیاس کہتا ہے کہ یہ مصرعے تحت اللفظ میں پڑھے جانے چاہییں) گرو کے مصرعے ختم ہوتے ہی رامشگر گانا گاتے ہیں ۔ گانے کے بولوں کی زبان بہت ہلکی پھلکی ہے اور فارسی اور ہندی کا بڑا موزوں اور متناسب امتزاج ہے ۔ رامشگروں کے گانے کے بعد دھونکل بولتا ہے ۔ اُس کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات بالکل چھوٹے چھوٹے ہم قافیہ فقرے ہیں ، جن کی ترتیب میں حد درجے کا ترنم اور نغمگی ہے ۔ ان شعروں کی ترتیب کی خوش آہنگی صاف

ظاہر کر رہی ہے کہ یہ فقرے طبلے کی تھاپ پر ادا کیے جائیں گے۔
پ بھی پڑھ کر دیکھ لیجیے :

واہ واہ ! اک ہاتھ میں پیمانہ ، پیمانے میں میخانہ ، پیمانے
میں مے لانا ، مے لانا ہے رقصانہ ، اور رقص میں ہے گانا ،
گانا بھی ہے مستانہ ، مستانہ ہے جانانہ ، ہے بزم سلیمانہ :

ترے ناچ گانے پہ اے نازنیں
ہزار آفریں ، صد ہزار آفریں

ڈھونکل کے بول سن کر رامشگر پھر گانا شروع کرتے ہیں ۔ اُس گانے کے بولوں کی ترتیب اُن کے گائے ہوئے پچھلے دونوں گانوں سے مختلف ہے ، یہاں خوش آہنگی کا وہی انداز ہے جو ڈھونکل کی زبان سے نکلے ہوئے بولوں میں تھا ، اس فرق کے ساتھ کہ ڈھونکل نے اپنے خوش آہنگ فقرے طبلے کی تھاپ پر تحت اللفظ میں ادا کیے اور رامشگروں نے اُسی طرح کے فقروں کو پورے ساز کی سنگت پر گا کر ادا کیا ۔ صوتی خوش آہنگی سے پیدا کیے ہوئے اس ترنم کی جو کیفیت ہے اُس کا صحیح اندازہ ان فقروں کے اعادے کے بغیر ممکن نہیں ، اس لیے میں اُنھیں نیچے لکھ رہا ہوں :

رامشگر : یہ ناچ رنگ ہو ، یہ رنگ ڈھنگ ہو ، صحبت کا رنگ ہو ،
پریوں کا سنگ ہو ، مجلس میخوار ہو ، دل میں ترنگ ہو ،
آئی اُمنگ ہو ، پھر کیا درکار ہو ، دورِ شراب ہو ، چنگ و
رباب ہو ، لطفِ شباب ہو ، بر میں دلدار ہو ، دل میں
ترنگ ہو ، پیالے میں بھنگ ہو ، کیسی بہار ہو ۔

چھوٹے چھوٹے فقروں میں کہیں قافیوں کی یک رنگی ، کہیں دورنگی ، کہیں تکرار ، کہیں تبدیلی اور ان سب کے ملاپ سے پیدا ہونے والی جھنکار جب پڑھنے میں مزا دیتی ہے تو ظاہر ہے کہ ساز کی سنگت میں یہ لطف دو آتشہ اور سہ آتشہ ہو جائے گا ۔

اگلا گانا دھونکل اور آذیک مل کر مکمل کرتے ہیں ۔ پہلے دھونکل بولتا ہے ، پھر آذیک اور پھر دھونکل ۔ یہاں بھی چھوٹے چھوٹے مقفٰی فقرے استعمال ہوئے ہیں ، لیکن دو باتوں کی وجہ سے گانوں میں ایک تازہ لطف پیدا ہوا ہے ، اول تو گانا مکالمے کی صورت میں ہے ، دوسرے آذیک نے اپنے بولوں میں دھونکل کے موٹاپے اور بھدے پن کا مذاق اڑایا ہے ، یوں گانا گانے کا لطف مہیا کرنے کے علاوہ ہنسنے ہنسانے کا وسیلہ بھی بنتا ہے اور اس کے بعد پوری فضا ہنسنے ہنسانے کی فضا بن جاتی ہے ۔ دونوں گانا ختم کر چکتے ہیں تو گرو بول اٹھتا ہے اور بغیر گائے ہوئے اسی طرح دھونکل کی توند کا مذاق اڑاتا ہے جیسے آدیک نے اڑایا تھا ۔ آذیک نے اپنے گانے میں اس توند کے متعلق کہا تھا :

شکم پھلایا ، بھرم گنوایا ، ہوا ہے نقصان ، نسب بھلایا ، غضب یہ ڈھایا ، ہوا ہے کیا نادان ۔

گرو نے یہی بات اپنے نثری فقروں میں یوں کہی ہے :

ہاں ، ہاں ! یہ ہمارے دھونکل پہلوان کی توند ہے یا روئی کی گوند ہے ، پیٹ ایسا گول ہے ، گویا بنا بنایا ڈھول ہے ۔

اس کے بعد دوستوں کی چھیڑ چھاڑ اور دل لگی کا سلسلہ شروع ہو جاتا

ہے ۔ گلرو اور آذبک باری باری دھونکل پر فقرے چست کرتے ہیں اور دھونکل ترکی بہ ترکی ان کا جواب دیتا رہتا ہے ۔ اس چھیڑ چھاڑ اور فقرہ بازی کا سلسلہ ، جس میں نثر کے مقفیٰ فقرے بھی آتے ہیں اور موقع محل کے اعتبار سے بیچ بیچ میں شعر بھی اور چھیڑ چھاڑ اور نوک جھونک کے دوران میں گلرو کا ایک گانا بھی ، اُس وقت بند ہوتا ہے جب چوبدار بادشاہ کی آمد کا اعلان کرتا ہے ۔ اعلان کے فوراً بعد دھونکل دو شعر پڑھتا ہے ، اور ان شعروں میں کہتا ہے کہ اس طفل (مراد گلرو) نے دربار میں میری ذلت کی ہے ، میں بھی اس سے بدلہ لے کر رہوں گا ۔ ساتھ ہی سب درباری مل کر گانا گاتے ہیں اور بادشاہ کی آمد پر اپنی خوشی کا اظہار کرنے کے علاوہ ، بادشاہ کی تعریف کر کے اپنی اطاعت اور وفاداری کا اعلان کرتے ہیں ۔ درباریوں کا گانا ختم ہوتے ہی سہیلیاں بہار و شادمانی کا گیت گاتی ہیں ۔ بادشاہ گانوں کی تعریف کرتا ہے اور خود بھی ایک چھوٹا سا گانا گاتا ہے ۔ دو درباری باری باری اشعار میں (پہلا تین شعر پڑھتا ہے ، دوسرا ، دو شعر) بادشاہ کی تعریف کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اُس کی راگ رنگ کی یہ محفلیں ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں ۔ بادشاہ گلرو سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا تمھیں راگ رنگ سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ گلرو جواب دیتا ہے کہ مجھے اس سے بھی دلچسپی ہے ، لیکن اس سے زیادہ شوق مجھے گرز و سنان و تیر کا ہے ۔ یہ بات وہ مختصر سی نثر کے بعد اشعار کی مدد سے پوری کرتا ہے ۔ ان اشعار میں وہ اپنی شمشیر زنی اور جنگی ہنر مندی کی تعریف کرتا ہے اور اسی بات کی تائید میں ایک گانا گاتا ہے ، جس کا انداز ایک طرح کے رجز کا ہے اور اس کا انداز آن

طربیہ اور بہاریہ گانوں سے مختلف ہے جو اب تک رامشگر اور ڈرامے کے دوسرے کردار گاتے رہے ہیں۔ یوں گویا تماشائیوں کو اس گانے میں ایک نئی طرح کا لطف محسوس ہوگا۔

گرو نے اپنے متعلق جو باتیں اشعار اور گانے میں کہیں بادشاہ کو وہ بہت پسند آئیں، چنانچہ اس نے ایک گانا گا کر اپنی پسندیدگی اور مسرت کا اظہار کیا۔ بادشاہ کے اس گانے تک جتنے گانے اس منظر میں گائے گئے، ان کی مجموعی تعداد گیارہ ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ منظر کا وہ تمام حصہ جس میں یہ گیارہ گانے آئے کہانی کے نقطۂ نظر سے صرف اسی حد تک اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں ہم نے بعض کرداروں کی ہلکی سی جھلک دیکھی اور ان سے تھوڑی بہت شناسائی حاصل کی۔ منظر کے اس حصے میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا اور کہانی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھی، جہاں تھی وہیں کی وہیں ٹھہری رہی اور یوں گویا اس حصے کی زیادہ اہمیت ان گانوں ہی کی بنا پر ہے جو اس حصے میں گائے گئے۔ بادشاہ کے گانے کے فوراً بعد اس کا واقعاتی رخ ابھرنا شروع ہوتا ہے۔

کچھ دہقان فریاد لے کر آتے ہیں۔ بادشاہ ان کی آواز سنتا ہے اور انہیں دربار میں لانے کا حکم صادر کرتا ہے۔ دہقانی آتے ہیں اور اپنی پریشانی کا حال اپنی دیہاتی بولی میں سناتے ہیں۔ بادشاہ ان سے عہد کرتا ہے کہ جب تک تمہارا دکھ دور نہ ہو جائے میں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ یہاں سے گانوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پہلے دہقانی اپنی بولی میں ایک گانا گاتے ہیں۔ بادشاہ تحت اللفظ میں پڑھے ہوئے تین شعروں میں اہلِ دربار کو مخاطب کرتا

ہے اور اُن سے مشورہ اور مدد طلب کرتا ہے ۔ نامدار تین شعر (تحت اللفظ میں) پڑھتا ہے اور بہادروں کی طرف سے مدد کا یقین دلاتا ہے ۔ بادشاہ ایک گانا گاتا ہے اور اس میں درباریوں سے مخاطب ہو کر خوشی کا اظہار کرتا اور نوجوانوں سے اس کام کا بیڑا اٹھانے کو کہتا ہے ۔ درباری بادشاہ کی بات سن کر دم بخود رہ جاتے ہیں ، صرف گُلرو اس مہم پر جانے کی ہامی بھرتا ہے ۔ پہلے تین شعر (تحت اللفظ میں) پڑھتا ہے ، پھر ایک گانا گاتا ہے ۔ اس گانے کا انداز بھی رجز کا سا ہے اور اس کی ترتیب میں چھوٹے چھوٹے مقفیٰ فقرے استعمال کیے گئے ہیں ۔ اس گانے کے بعد گلرو اور اُس کے باپ نوذر وزیر کے درمیان ایک شعری مکالمہ ہوتا ہے جس میں گلرو کی ہمت اور جواں مردی کا پہلو زیادہ ابھر کر سامنے آتا ہے ۔

بادشاہ گلرو کی باتوں سے خوش ہو کر گانا گاتا ہے ۔ پھر گلرو دھونکل اور بادشاہ کے مکالمے پر یہ منظر ختم ہوتا ہے ، لیکن پردہ گرنے سے پہلے سب مل کر ایک گانا گاتے ہیں اور گلرو کو کامیاب اور بامراد واپس آنے کی دعائیں دیتے ہیں ۔ ایک خاص بات جو منظر کے دوسرے حصے (یعنی دہقانیوں کی آمد کے بعد والے حصے) کے گانوں کے متعلق ذہن میں رکھنی ضروری ہے ، یہ ہے کہ ان سب گانوں کا ربط کسی نہ کسی طرح ڈرامے کے واقعات کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے ۔ ان گانوں میں سے ہر ایک کہانی کو آگے بڑھانے میں بھی حصہ لیتا ہے اور مختلف کرداروں کے نقش کو زیادہ واضح کرنے کا کام بھی کرتا ہے ۔ مثلاً جہاں تک کہانی کے آگے بڑھنے کا تعلق ہے اس منظر کے آخر تک کے واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ

دہقانی فریاد لے کر آتے ہیں ، بادشاہ اُن کی فریاد سنتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ جب تک اُن کی پریشانی دور نہیں کرے گا چین سے نہیں بیٹھے گا ۔ وہ درباریوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ کون بہادر ہے جو اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اُٹھائے ۔ سب درباری خاموش رہتے ہیں ۔ گلرو بڑے جوش و خروش سے آمادگی ظاہر کرتا ہے ۔ گلرو کا باپ نوذر وزیر یہ بات سن کر غمگین ہو جاتا ہے اور گلرو سے کہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیوں مصیبت میں ڈال رہے ہو، لیکن گلرو اُسے معقول جواب دے کر خاموش کر دیتا ہے ۔ منظر کے ابتدائی حصے میں دھونکل سے ہمارا جس حد تک تعارف ہوا تھا اُس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ڈرامے میں صرف فضا کو خوشگوار بنانے اور ہنسنے ہنسانے کے موقعے پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے ۔ یہ بات منظر کے دوسرے حصے میں آ کر ذرا آگے بڑھتی ہے ۔ دہقانیوں کے آنے کی خبر سے لے کر گلرو کی سفر پر آمادگی کے وقت تک وہ جو کچھ کہتا رہا ہے اُس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُسے دہقانیوں کا آنا دخل در معقولات معلوم ہوتا ہے ۔ اُس کے دل میں یہ خوف ہے کہ کہیں مجھے کسی مصیبت میں نہ مبتلا ہونا پڑے ۔ اتفاق سے اُس کا اندیشہ حقیقت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور بادشاہ گلرو سے کہتا ہے کہ تم دھونکل کو اپنے ساتھ لے جاؤ ۔ دھونکل طرح طرح کے بہانے تراشتا ہے ، لیکن بادشاہ اپنے فیصلے پر قائم رہتا ہے اور دھونکل کا گلرو کے ساتھ جانا طے ہو جاتا ہے ۔

پہلے منظر کے گانوں کا تفصیلی جائزہ لینے کا مقصد اول تو یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس ڈرامے میں گانوں کی کتنی کثرت ہے اور دوسرے یہ دکھانا کہ گانوں کی کثرت کے باوجود اُن میں اتنا تنوع ہے کہ وہ

تماشائی کے لیے بوجھ ہرگز نہیں بنتے - کچھ گانے بہاریہ اور طربیہ ہیں ، بعض میں رجز کا انداز ہے ، بعض ایسے ہیں جہاں بات تو کچھ بھی نہیں لیکن لفظوں کی ترتیب ایسی ہے کہ اُن سے ترنم کی جھنکار پیدا ہوتی اور گرد و پیش پر چھا جاتی ہے - گانوں کے بول عموماً آسان ہیں ، ان میں ہندی اور فارسی کے لفظوں کی ملاوٹ اور گھلاوٹ ہر جگہ بڑی متوازن ہے - گانوں کے علاوہ تحت اللفظ میں ہونے والے مکالمے جو کبھی ان گانوں کے ساتھ ساتھ اُن کے اول آخر میں آتے ہیں اور کبھی اُن سے ذرا الگ ہٹ کر موسیقی کی لَے کو زیادہ دل کش بنا دیتے ہیں - مکالموں کے بول عموماً ایسے ہیں کہ تحت اللفظ میں پڑھے جانے کے بعد بھی شعروں میں موسیقی کا آہنگ برقرار رہتا ہے -

اس تبصرے کے سروع میں بتایا جا چکا ہے کہ پہلے باب کے پہلے منظر میں مختلف کرداروں نے مجموعی طور پر اکیس گانے گائے ، جتنے اسعار تحت اللفظ پڑھے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں - اس گنتی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہونا لازمی ہے کہ پورے ڈرامے میں گائے جانے والے گانوں کی تعداد سو ، سوا سو سے کم نہیں ہوگی بلکہ ہر منظر میں گانوں کی تعداد اوسطاً اتنی ہی ہو جتنی مذکورہ منظر میں ، تو کل تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہونی چاہیے - ڈرامے میں تین باب ہیں اور ہر باب میں پانچ منظر - اس طرح کل ۱۵ منظر ہوئے - ۱۵ کو ۲۱ سے ضرب دیجیے تو ۳۱۵ ہوئے - کسی ایک ڈرامے میں ۳۱۵ گانوں کا تصور کتنا لرزہ خیز ہے ، اس لیے دیکھنا چاہیے کہ آخر گانوں کی کل تعداد کتنی ہے - میں نے گنتی کی تو پہلے باب میں کل ۴۱ گانے نکلے - دوسرے باب میں ۲۲ گانے ہیں اور تیسرے

اور آخری باب میں ۱۵ - اس طرح کل ۷۸ گانے ہوئے اور فی منظر ۳ گانوں سے کچھ زیادہ کا اوسط پڑا - اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مختلف مناظر میں گانوں کی تعداد کا کم یا زیادہ ہونا محض اتفاق بات ہے یا اس میں کسی فنی منصوبہ بندی اور غور و فکر کو دخل ہے - غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مناظر میں گانوں کی تعداد کے کم یا زیادہ ہونے کا کوئی نہ کوئی فنی جواز موجود ہے - فنی جواز کی وضاحت کرنے سے پہلے جمع تفریق اور ضرب کے ایک سوال کی طرف توجہ کر لیجیے -

یہ بات تو بار بار کہی جا چکی ہے کہ پہلے باب کے پہلے منظر میں ۲۱ گانے ہیں - اتنے گانے کسی اور منظر میں نہیں - پہلے باب کے دوسرے منظر میں یہ تعداد گھٹ کر ۴ رہ گئی ہے ، تیسرے میں بڑھ کر ۱۵ ہو گئی - چوتھے منظر میں سرے سے کوئی گانا ہی نہیں اور پانچویں میں صرف ایک گانا ہے ، اس طرح پہلے باب کے کل گانے ۴۱ ہوئے - دوسرے باب کے پانچوں منظروں میں علی الترتیب ۶ ، ۶ ، ۲ ، ۱ اور ۷ گانے ہیں اور تیسرے باب کے پانچوں مناظر میں علی الترتیب ۲ ، ۲ ، ۲ ، ۳ اور ۶ - یوں گویا دوسرے باب میں گانوں کی تعداد گھٹ کر ۲۲ رہ گئی اور پھر تیسرے باب میں صرف ۱۵ - اب اس بات کو ایک اور طرح بھی دیکھیے - صرف ایک منظر ایسا ہے جس میں کوئی گانا نہیں ، دو منظروں میں ایک ایک گانا ہے ، ۴ منظروں میں دو دو گانے ، ایک میں تین گانے ، ایک میں چار گانے ، تین میں ۶ ، ۶ گانے اور ایک میں سات گانے - اس کمی بیشی کے اسباب تلاش کیجیے تو کئی باتیں سامنے آتی ہیں - ان باتوں کی

تفصیل یہ ہے :

(۱) جن مناظر میں گانے زیادہ آئے ہیں اُن میں سے تین منظر دربار کے ہیں (گانوں کی تعداد ۱۲ ، ۷ ، ۶) ۔

(۲) باقی مناظر جن میں گانے زیادہ ہیں ، عام مناظر سے مختلف اور واقعاتی اعتبار سے ڈرامے میں اہمیت رکھتے ہیں — ایک منظر شہزادی کی جشن گاہ کا (۱۵ گانے) دوسرا شہزادی کی خواب گاہ کا (۶ گانے) تیسرا محل ضحاک کا (۹ گانے) ۔

(۳) جن مناظر میں گانے زیادہ ہیں اُن میں گانے زیادہ تر اُن کرداروں نے گائے ہیں جنھیں قصے میں نمایاں حیثیت حاصل ہے ۔ ان میں سے تین نام خصوصیت سے اہم ہیں ، گلرو قصے کا ہیرو ، زرینہ قصے کی ہیروئن اور جہاندار شاہ ۔ اسٹیج کے تھیٹر میں عام رواج تھا کہ ہر کمپنی کے ساتھ اداکاروں کی ایک مخصوص جماعت ہوتی تھی ۔ اس جماعت میں ہیرو اور ہیروئن کے پارٹ کے لیے ایسے اداکار منتخب کیے جاتے تھے جو گانے میں مہارت رکھتے ہوں ۔ ڈراما نگار ڈراما لکھتے تو اُن کے ذہن میں یہ بات موجود ہوتی تھی کہ کس کس اداکار سے کس طرح کا کام لینا ہے اور کس کس اداکار سے مختلف موقعوں پر گانے گوانے ہیں ۔ اسی لیے مختلف مناظر میں وہی اداکار گانا گاتے ہوئے نظر آتے ہیں جنھیں دوسروں کے مقابلے میں گانے میں زیادہ مہارت حاصل ہے ۔ اس نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ گانے ان تین کرداروں کے

حصے میں آئے ہیں ، جن کے میں نے نام لیے - ۱۷ گانے
کلرو نے گائے ، ۱۶ زرینہ نے اور ۸ جہاندار شاہ نے -

(۴) کورس کی صورت میں گانا گایا جائے تو اس کا الگ ایک مزا ہے - خدا داد میں اس پہلو کی طرف خاصی توجہ کی گئی ہے اور کورس کے گانوں کے لیے ذرا سا بھی موقع ملا ہے تو ڈراما نگار نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے - اس طرح کے ۱۵ کورس ڈرامے میں ہیں ، جو گانے دو دو تین تین کرداروں نے مل کر گائے ہیں وہ ان سے الگ ہیں -

(۵) جن مناظر میں گانے کم ہیں ان میں کرداروں نے عموماً تحت اللفظ کے انداز میں شعر زیادہ پڑھے ہیں اور یوں گانے کی کمی کی تلافی ہو گئی ہے -

(۶) تلافی کی ایک اور صورت مقفٰی مکالمے ہیں جن سے پورے ڈرامے میں بڑی کثرت سے کام لیا گیا ہے -

مزاح کا عنصر :

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں پلاٹ کی دلچسپی سے قطع نظر ، گانا اور مزاح دو ایسی چیزیں ہیں جن سے ڈراما نگار نے ڈرامے کو دیکھنے والوں کے لیے پرکشش اور دلچسپ بنایا ہے - ان میں سے ایک چیز کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہو چکا ، اب تھوڑا بہت لطف مزاح سے بھی حاصل کر لیجیے - ڈرامے میں مزاح کبھی کرداروں کی حرکات و سکنات سے کبھی زندگی کے متعلق ان کے مخصوص رویے سے اور اکثر و بیشتر ان کی دلچسپ گفتگو سے پیدا

کیا گیا ہے۔ جس میں چُہل ہوتی ہے ، فقرہ بازی ہوتی ہے اور پھبتیاں کَسی جاتی ہیں اور یوں مختلف طریقوں سے کسی نہ کسی کردار کی کسی نہ کسی ظاہری یا باطنی کمزوری کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ فقرہ بازیوں میں رعایتِ لفظی اور ضلع جُگت سے بھی پوری طرح کام لیا جاتا ہے۔ گلرو زرینہ میں ایک کردار پر خصوصیت سے پھبتیوں کے تیر برسائے جاتے ہیں۔ اس کردار کا نام دھونکل ہے۔ دھونکل صاحب اسم با مسمٰی ہیں ، بھدّے ڈیل ڈول اور بڑھی ہوئی توند کے شیخی خورے درباری ، جنھیں فسانہ آزاد والے خوجی کی طرح اپنے قد و قامت کی خوبصورتی پر ناز ہے اور دلیر اور جوان مرد ہونے کا دعویٰ۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی ایسے کام کے قریب سے بھی نہیں گزرنا چاہتے جس میں جسم و جان کے ضرر اور زیان کا ذرا سا بھی اندیشہ ہو ، لیکن قسمت ایسی ہے کہ ٹال مٹول کی کوشش اور حیلہ سازی اور بہانہ بازی کے سارے حربے کام میں لانے کے باوجود وہ پھنستے ، ایسی ہی جگہ جا کر ہیں جہاں جان کے لالے پڑ جائیں۔ ڈراما نگار نے دھونکل سے وہی کام لیا ہے جو ڈراموں میں عموماً مسخروں سے لیا جاتا ہے ، لیکن اسے اپنی زبان سے مسخرہ کہیں نہیں کہا ، خود دھونکل کو البتہ اپنے اس وصف کا اتنا شدید احساس ہے کہ یہ حضرت دوسروں کو مسخرہ کہہ کر خوش ہو لیتے ہیں۔ ایک موقع پر (پہلا باب ، پہلا منظر) جب آذبک اور گلرو دھونکل پر فقرے چُست کرتے ہیں تو وہ گلرو کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

زبان بند کر ، یوں نہ باتیں بنا
زیادہ نہ اب مسخرا پن جتا

اسی طرح شیخی خوری کرنے پر آتا ہے تو زمین آسمان کے قلابے ملاتا ہے :

جو دوں پیلتن جسم کا کچھ بھی زور
تو بس کر تو رہ جائے مانندِ مور

تنومند ہوں ، مجھ میں اتنا ہے زور
کہ دیووں کو سمجھوں میں مانندِ مور

مرے نام سے زار ہے زارِ روس
ہے تاراج میں نے کیا ملکِ شوس
ڈرے مجھ سے دنیا کے سارے ہیں دیو
لڑائی میں بھاگا ہے مجھ سے خدیو

یہی شیخی ہے جسے گلرو اپنے ایک گانے میں ان لفظوں میں بُرا کہتا ہے :

نئی نئی شیخی دکھائے - تیرا یہ باتیں بنانا مجھے نہ بھائے

بہادری اور جاں بازی کے یہ دعوے کتنے بے بنیاد ہیں ، اس کا اندازہ قدم قدم پر دھونکل کی باتوں سے ہوتا ہے - وہ ہمیشہ آنے والے خطرے کو بھانپ لیتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ کوئی بلائے ناگہانی نازل ہونے والی ہے تو دل ہی دل میں اسے برا کہتا ہے ، اور اس سے بچنے کے لیے بڑی ذہانت سے حیلے تراشتا ہے ، لیکن ہوتا عموماً یہی ہے کہ اس کی ذہانت کام نہیں آتی اور واقعات اسے اسی مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں جس سے بچ نکلنے کی وہ تدبیریں

کرتا ہے ۔

دھونکل کے کردار کو ڈراما نگار نے کتنی اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایے کہ وہ ڈرامے کے پندرہ مناظر میں سے سات میں اسٹیج پر آتا ہے ۔ اور اسٹیج پر اُس کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ تماشائیوں کے لیے تفریح کا وہ سامان مہیا ہو گیا جس کے لیے وہ تماشا گاہ میں آئے ہیں ۔ تفریح کی یہ کیفیت اول تو دھونکل کے مسخرے پن ، اُس کی شیخی خوری ، اُس کی حیلہ تراشی اور بعض اوقات اُس کی وقتی پریشانی کو دیکھ کر ہوتی ہے اور بعض اوقات اُس کے پرلطف گانے کی وجہ سے ۔ قصے کے بنیادی کرداروں کے علاوہ جس کردار نے زیادہ گانے گائے ہیں وہ دھونکل ہے ۔ ظاہر ہے کہ ڈراما نگار نے یہ خدمت اس لیے اُس کے سپرد کی ہے کہ اُس کی شخصی دل کشی میں اور اضافہ ہو جائے اور یہ بات اُسی صورت میں ہونی ممکن تھی کہ اپنے حُلیے ، اپنی حرکات و سکنات اور اپنی باتوں سے لوگوں کو ہنسانے کی جو صلاحیت اُس میں موجود ہے ، اُس میں موسیقی کی مہارت بھی شامل ہو جائے ۔ اس طرح دھونکل کا بہ یک وقت کامیاب مسخرے اور ماہر گویے کا جاذبِ توجہ کردار بن جانے کی وجہ سے ڈرامے کے اہم کرداروں میں شامل ہو جاتا ہے اور اُس کے وجود سے ڈرامے کی فضا میں اتنی چھل پہل پیدا ہوتی ہے جتنی اِس ڈرامے کا کوئی دوسرا کردار تنہا نہیں پیدا کر سکا ۔

دھونکل کے علاوہ ڈرامے کے بعض اور کردار بھی ہیں کہ جب وہ اسٹیج پر آتے ہیں تو ہمیں اپنی باتوں سے ہنساتے ہیں ۔ ایسے کرداروں میں وہ دہقانی بھی شامل ہیں جو فریاد لے کر بادشاہ کے

دربار میں حاضر ہوئے تھے ۔ ان دہقانیوں کا دہقانی پن اور ان کی دیہاتی بولی دونوں چیزیں ایسی ہیں جو بے ساختہ ہنساتی ہیں ، لیکن ہنسی کے زیادہ موقعے دہقانی بچہ مراد فراہم کرتا ہے جو اس لحاظ سے دھونکل سے مختلف ہے کہ اس کی باتوں میں سادگی اور بھولپن ہے ۔ اس کی کہی ہوئی باتوں میں ہر جگہ بے ساختگی ہے جو اس تکلف اور تصنع سے خالی ہے جو دھونکل کی باتوں میں برابر موجود ہوتی ہے ۔ دھونکل کی زبان سے جتنے فقرے نکلتے ہیں انھیں سن کر معلوم ہوتا ہے کہ ڈراما نگار نے ان کی ترتیب و تنظیم بڑے اہتمام سے کی ہے ۔ اس طرح کا فنی اہتمام مراد کی زبان سے نکلی ہوئی باتوں میں نہیں ۔ مراد کو دو منظروں میں اسٹیج پر لایا گیا ہے ۔ ان میں سے ایک منظر ایسا بھی ہے جس میں مراد اور دھونکل دونوں اسٹیج پر موجود ہیں ۔ اس منظر میں ڈراما نگار نے مراد کے منہ سے دھونکل کی ذات والاصفات کی شان میں ایسی ایسی باتیں کہلوائی ہیں کہ سننے والا لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے ۔ مثلاً

(۱) مراد : آئیے جی ، موٹل ساں ، آپ کیت سے آئے ؟ اری ماں ، ماں ! سر تو دیکھ جیسے مارنل کا گولہ اور آنکھیں جیسے دیوار میں چھید اور ناک جیسے روٹی پہ بھنا ہوا بینگن ، توند کیسی پھولی ہے ، جیسے گھی کا کپا ۔

(۲) مراد : (دھونکل سے) اجی ، کیا بولت ہو ؟ کیا پیٹ سے فٹ بال باندھی ہے ؟

مزاح کا ہلکا سا رنگ ان مناظر میں بھی ملتا ہے جہاں گلرو اور زرینہ یکجا ہوتے ہیں ۔ دونوں کے بے ضرر فقروں میں

کہیں تجاہل عارفانہ اور کہیں محض شوخی اور شرارت جیسی چیزیں منظر کی فضا کو خوشگوار اور طرب انگیز بنانے میں نمایاں حصہ لیتی ہیں -

'گلرو زرینہ' کے مختلف مناظر میں مذاق کی جتنی باتیں آئی ہیں اُن میں شوخی اور شرارت کبھی دل آزاری کی حد تک نہیں پہنچتی اورفقرہ بازی کسی جگہ بھی عامیانہ اور سوقیانہ نہیں بنتی -

زبان و بیان :

زبان و بیان کے نقطۂ نظر سے گلرو زرینہ کے متن کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ، تین حصے نثر کے اور دو نظم کے - نثر کے تین حصوں کی تقسیم یوں ہے کہ ڈرامے میں جتنے مکالمے آئے ہیں اُن میں سے اول تو وہ ہیں جن کی عبارت مقفیٰ ہے - اس طرح کے مکالموں کی ڈرامے میں بڑی کثرت ہے - دوسرے وہ جن میں قافیے کا اہتمام نہیں اور بات سیدھی سادی بول چال کی زبان میں کہہ دی گئی ہے ، تیسرے وہ جن میں دہقانی کرداروں نے دیہاتی زبان بولی ہے - نظم کے دو حصوں میں سے ایک حصہ اشعار کا ہے اور دوسرا گیتوں کا -

پہلے دو طرح کی نثریں ، یعنی وہ جو مقفیٰ ہے اور وہ جو مقفیٰ نہیں ، عموماً صاف ستھری اور سلجھی ہوئی ہیں - قافیے کے اہتمام کے باوجود ان میں سلاست اور روانی بھی ہے اور محاورے کی صحت بھی - بلکہ اکثر جگہ خوش آہنگی کی بدولت عبارت میں لطف بھی موجود ہے - میں کسی اہتمام یا التزام کے ڈرامے بغیر کے ورق اُلٹ اُلٹ کر مکالموں کی چند عبارتیں نمونے کے طور پر نقل کر رہا ہوں - انھیں

پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں ہوگا کہ پورے ڈرامے میں عبارتوں کا انداز یہی ہے ، محسوس ہوتا ہے کہ ڈراما نگار نے ڈرامے کے ہر حصے پر یکساں توجہ صرف کی ہے :

(۱) پہلا باب ، پہلا منظر :

تیسرا درباری : اے رقاصانِ نازنین ، رشکِ بُتانِ چین! اے رامشگران حسین! گاؤ ، گاؤ ، کوئی دلچسپ راگ سناؤ ، شراب میں اپنا رنگ جماؤ۔

اُذبک : تم بھی چھک جاؤ ، میرے بہادرو ، پیو اور پلاؤ ، غٹاغٹ چڑھاؤ۔ بوتل کا کاگ اڑاؤ۔ ناچ رنگ کے دور میں ، جام شراب کو وہ گردشیں دکھاؤ ، وہ ناچ نچاؤ کہ رامشگران بھی ناچنا بھول جائیں۔ سرِ بزم شرمائیں ، چکر میں آئیں۔

(۲) پہلا باب ، تیسرا منظر :

زرینہ : شگوفہ ، جا دیکھ ، اگر خاصہ تیار ہو گیا ہو تو آرام محل میں جا کر دستر خوان بچھا (گلرو کو دیکھ کر) ہیں یہ کون ؟

گلرو : ہیں ہیں یہ کہاں؟ یہ باغ تو کسی کا زنان خانہ ہے۔

زرینہ : او اجل گرفتہ تو یہاں کیسے چلا آیا۔

گلرو : ایک پرند جانور کا شکار مجھے یہاں لایا۔ وہ اڑ کر

ادھر آیا ، اس لیے میں نے اس باغ میں قدم بڑھایا۔

زرینہ : کیا تو نہیں جانتا کہ یہ باغ کس کی محل سرا ہے؟

گلرو : آپ بھی کیا عقلمند ہیں ۔ اس کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ اگر میں جانتا ، کچھ پہنچانتا تو یہاں کیسے آتا ۔ میں مسافر ہوں ، یہاں کے حالات سے کب ماہر ہوں ۔

زرینہ : معلوم ہوا کہ تو اپنی جان سے بیزار ہے۔

گلرو : کون میری جان کا طلبگار ہے؟ میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔

(۳) دوسرا باب ، دوسرا منظر :

بختک : اے شاہِ کیواں علم ، نشان سکندر ، دارا حشم ، نیر کوکب بخت ، گردوں آفتاب۔ اے شاہِ فلک بارگاہ ، وہ دونوں منگل و سنیچر ، نحوست اثر ، زہرہ و مشتری کی طرح حلیے میں با ہمہ گر تھے ۔ تقدیر سے بے خبر تھے۔ میں زحل بن کر اُن کے نصیبوں پر چھایا اور مریخ بن کر جکڑ لایا ۔ اب تو بھی بُرج عقرب سے طلوع ہو کر فرمان جاری کر ، زندگی سے عاری کر۔

(۴) دوسرا باب ، پانچواں منظر :

نوفر : اے سلطانِ ذی شان! اس تسلی و غمخواری سے دلِ بےقرار کو قرار آتا ہے ، مگر اس کا جھوٹ بولنا تن بدن میں آگ لگاتا ہے ۔

رستم : اے نابکار ناہنجار! گلرو ایسا کمزور و نزار تھا جو ایک گورخر کے زور سے لاچار تھا۔ تجھ کو معلوم نہیں کہ وہ ہاتھوں کے زور سے ہاتھی کے دانت توڑتا ہے، شیر کا پنجہ موڑتا ہے۔

(۵) تیسرا باب، پانچواں منظر:

گلرو : ہزار شکر کہ پھر یہ قدم نصیب ہوئے۔

نوذر : کرم خدا نے کیا ہم سے تم قریب ہوئے۔

شاہ : شکر ہے اے پہلوان! چھوٹے بڑے جنجال سے۔

گلرو : آپ کے لطف و کرم سے، آپ کے اقبال سے۔

نوذر : خدا نے پھر تیری صورت دکھائی، تنِ بے جان میں جان آئی۔

گلرو : اے مہربان پدر! بختِ نارسا نے، ایسا پھنسایا تھا کہ میں نے ملنے کا خیال دل سے بھلایا تھا، مگر بے شک ہمارے تاجدار جہاں دار شاہ کی شفقت کا سایہ ہم کو یہاں تک لایا جو تم سے ملایا۔

گلرو زرینہ کے متن میں آنے والے اشعار پر اس لیے کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں کہ جو ڈراما نگار مقفیٰ اور مسجع نثر لکھنے پر اتنی قدرت رکھتا ہو جتنی کہ اس ڈراما نگار کو ہے، آسے صحیح شعر لکھنے کے لیے موزونیِ طبع کے سوا کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈرامے میں شروع سے آخر تک

جتنے شعر بھی آئے ہیں وہ عموماً صاف اور سلجھے ہوئے ہیں ۔ ان شعروں میں جابجا جو تعقید نظر آتی ہے اُس کا ذمہ دار ڈراما نگار کے بجائے یا تو کاتب کو ٹھہرایا جا سکتا ہے یا کتابت ، طباعت اور ترتیب کی اُس عام لاپروائی کو جس کا ذکر قدیم ڈراموں کے متون کی غلطیوں کے سلسلے میں برابر ہوتا رہتا ہے ۔ میں انھیں باتوں کو گلرو زرینہ کے متن میں خرابیاں پیدا کرنے کا سبب قرار دیتا ہوں ۔ متن میں جو طرح طرح کی غلطیاں ہیں اُن کی وجہ سے مجھے متن کی درستی میں جو دشواریاں پیش آئی ہیں ، کچھ مثالیں دے کر اُن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔

تصحیح متن :

نثر کی عبارتوں اور خصوصاً اشعار میں آنے والی بعض غلطیاں تو ایسی ہیں جو قدیم ڈراموں کے سب متون میں ملتی ہیں ۔ مثلاً اشعار میں تیرا ، تیری اور تیرے اور ترا ، تری اور ترے میں کاتب کوئی امتیاز نہیں کرتے ۔ جہاں چاہے 'ی' کے نقطے لگا دیتے ہیں اور جہاں چاہیں صرف زیر سے کام چلا لیتے ہیں ۔ یہ بات موجودہ متن میں بھی کثرت سے موجود ہے اور اُسے آسانی سے درست کر دیا گیا ہے ، دوسری غلطی ایسے لفظوں کے لکھنے میں پیش آتی ہے جن میں ضرورتِ شعری کے تحت کسی لفظ کے درمیان میں آنے والا 'الف' گرا دیا جاتا ہے ، مثلاً شاہ سے شہ ، ماہ سے مہ اور علی ہذالقیاس شہنشاہ ، شاہزادہ ، شاہزادی اور ماہ لقا سے شہنشہ ، شہزادہ ، شہزادی اور مہ لقا وغیرہ ۔ اس غلطی کے دور کرنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی ۔ ایک تیسری غلطی دو لفظوں کو جوڑ کر لکھ

دینے کی عادت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ناح رنگ کو ناچرنگ ، ذی وقار کو ذیوقار ، بے گماں کو بیگماں لکھنا ۔ اس طرح کی غلطیاں بھی عموماً بغیر کسی دقت کے درست کر لی جاتی ہیں ۔ دشواریاں اصل میں اس کے بعد شروع ہوتی ہیں ۔ ان دشواریوں کی جو نوعیت ہے اس کی وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کر رہا ہوں :

(۱) لفظ کسی نہ کسی وجہ سے ایسی صورت اختیار کر لیں کہ انھیں درست کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑے ۔ موجودہ متن کی چند مثالیں یہ ہیں :

(ا) ایک جگہ لکھا ہوا تھا ''شہنشار بحرویہ'' بہت سوچنے کے بعد پتا چلا کہ یہ ''شہنشاہِ بحر و بر'' کی مسخ شدہ صورت ہے ۔

(ب) ایک جگہ لکھا تھا ''سر پھر سا'' قیاس کی زور آزمائی نے مشکل حل کی اور پتا چلا کہ اصل الفاظ ''سریر پہاڑ سا'' ہیں ۔

(ج) ایک جگہ لکھا ہوا تھا ''زنندہ بخت ناج'' عبارت کے سیاق و سباق کے جوڑ توڑ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اصل میں ''زیبندۂ تخت و تاج'' ہے ۔

(د) اسی طرح ''دال دلیر'' ''دال دلیا'' بنا :

"خوبہنیں" "خواصین" کی بگڑی ہوئی صورت
نکلی ، "قد بول" کو اصل میں "فٹ بال"
ہونا چاہیے تھا ۔

(۲) اشعار کی غلطیاں بعض جگہ تو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہیں ، مثلاً کتابت میں کبھی کبھی حرفِ جار حذف ہو جاتے ہیں ۔ یہ غلطی آسانی سے درست کر لی جاتی ہے ۔ اسی طرح کبھی کبھی کوئی کلمہ کہیں سے فالتو آ کر مصرعے میں بیٹھ جاتا ہے ۔ اس کی گرفت میں بھی عموماً دشواری پیش نہیں آتی ، اس لیے کہ اس زائد کلمے کے ہٹاتے ہی مصرعہ یا شعر موزوں بھی ہو جاتا ہے اور اس میں معنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں ، جو اُس فاضل یا زائد کلمے کی دخل اندازی کی وجہ سے مفقود ہو گئے تھے ۔ لیکن اشعار کی کتابت میں پیدا ہو جانے والی ایک عام غلطی مصرعے میں الفاظ کی ترتیب کا آگے پیچھے ہو جانا ہے ۔ یہ صورت کیسے پیش آتی ہے ، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ، لیکن اس طرح کی غلطیاں ان ڈراموں کے متون میں ہوتی ضرور ہیں ، اور بعض اوقات خاصی کثرت سے ہوتی ہیں ۔ زیرِ بحث متن میں بھی بارہا یہ صورت پیش آئی کہ کوئی مصرعہ یا شعر ناموزوں ہے اور محض لفظوں کی اُلٹ پھیر سے وہ موزوں ہو گیا ۔ کبھی کسی لفظ کے گھٹائے بڑھائے بغیر اور کبھی صرف ایک لفظ کی کمی بیشی سے ۔ ایسی چند مثالیں تفریحِ طبع

کے لیے پیش کی جاتی ہیں :

(۱) مصرع تھا :

ارمان پیری میں ہو جس کو اپنی نوجوانی کا

بدل کر یوں کیا گیا :

ہو جس کو پیری میں ارمان نوجوانی کا

(۲) مصرع تھا :

پئے سراب تو پائے مزہ زندگانی کا

بدل کر یوں کیا گیا :

پئے شراب ، مزہ پائے زندگانی کا

(۳) مصرع تھا :

خدا یہ جسن ہمیں کبھی نصیب کرتا ہے

'کبھی' کو بدل کر کب کیا گیا ۔

(۴) مصرع تھا :

شرمندہ اپنے آنے پہ ہوں ، لیجیے میں چلا

بدل کر کیا گیا :

شرمندہ اپنے آنے پہ ہوں ، لیجیے چلا

(۵) مصرع تھا :

کسی مسافر بے چارے پہ ستم کیا کیجے

بدل کر کیا گیا :

کسی بے چارے مسافر پہ ستم کیا کیجے

(۳) جہاں تک موجودہ متن کا تعلق ہے اس میں دو چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے تصحیح متن کے کام میں بڑی دشواری پیدا کی ۔ ایک اس کے گانے اور دوسرے دہقانیوں کی بولی ۔ پہلے میں دہقانیوں کی بولی کا ذکر کرتا ہوں ۔ ان دہقانیوں سے ہماری ملاقات ڈرامے کے پہلے ہی منظر میں ہوتی ہے ، جب وہ جہاندار شاہ کے دربار میں فریاد لے کر آتے ہیں ۔ ان کی بولی کی پہلی بات تو یہ ہے کہ اُن کا شین قاف درست نہیں اس لیے وہ مقدّم کو مکدّم ، خاموش کو کھاموس ، بادشاہ کو بادساہ یا باسّا ، حضور کو حجور ، ظالم کو جالم ، درخت کو درکھت کہتے ہیں اور یہ لفظ ایسے ہیں کہ ان کی اصل کی شناخت آسانی سے ہو جاتی ہے ، لیکن اُس وقت ذرا سی اُلجھن پیش آتی ہے جب اُن کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نکل جاتا ہے جس کا دیہاتیوں کی زبان پر ہونا قرینِ قیاس نہیں ۔ اس طرح کی ایک مثال یہ ہے :

پہلے باب کے دوسرے منظر میں گلرو ، دیہاتی لڑکے مراد سے باتیں کر رہا ہے ۔ گلرو مراد سے پوچھتا ہے کہ ”کیوں بھائی ! کوئی بھن تو اِدھر کو نہیں آیا ؟“ اس پر مراد اپنی خاص بولی میں کہتا ہے :

”کہاں صاحب کیا بولت ہے ۔ تمھاری یہ

پھارسی ہماری پھمبد میں نہیں آئی ، جانے گبر گبر
کیا سنائی ، پھر پھرماؤ ، پھر پھرماؤ -"

"پھارسی" تو سمجھ میں آ گیا کہ "فارسی" ہے اور "پھرماؤ" "فرماؤ" ہے لیکن "پھمبد" کیا ہے ؟ بہت عقل دوڑائی تو پتا چلا کہ کاتب نے پھمید کو پھمبد بنایا اور پھمد اصل میں پھھمید یا فہمید ہے اور پھھمید نہیں آئی کا مطلب "سمجھ میں نہیں آئی" ہے - قیاس کی ٹامک ٹوئیاں جتنی دہقانیوں کی بولی کی گرہیں کھولنے میں مارنی پڑیں اس سے کہیں زیادہ اس کی ضرورت گیتوں میں پیش آئی - بات دراصل یہ ہے کہ دہقانیوں کی زبان سے ڈراما نگار نے جو باتیں کہلوائی ہیں اُن کی قواعد اُن مقامی بولیوں کے مطابق نہیں جن کا استعمال عام طور سے ڈراموں میں ہوتا رہا ہے - یہ کئی علاقوں کی بولیوں کا ملغوبہ ہے ، اس لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ جو بات متن میں ایک خاص طرح لکھی ہوئی ہے اُس کی اصل صورت کیا ہے - گیتوں میں یہ بات مکالموں سے زیادہ ہے - اس دور کے ڈراموں میں جو گت ملتے ہیں اُن کی زبان دوہوں ، ٹھمریوں اور دادروں کی اُس زبان سے ملتی جلتی ہے جو اسٹیج کے ڈرامے میں اندر سبھا کے وسیلے سے داخل ہوئی - گلرو زرینہ کے گیتوں میں عام طور سے جو زبان استعمال ہوئی ہے وہ کہیں کہیں تو عام دوہوں اور ٹھمریوں سے ملتی جلتی ہے ، لیکن اس میں اکثر اوقات مصنف کی من مانی کو دخل ہے ، اس لیے کوشش کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ گیت کے صحیح بول کیا ہیں - متن ایک ہی ہے ، جس کی نقل کسی کرم فرما نے ہندوستان سے بھیجی ہے ، اس صورت میں

قیاس کے گھوڑے دوڑانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ، لیکن قیاس بہرحال قیاس ہے ، اس نے لال بجھکڑ بن کر ، جس طرح بھی بن پڑا ہے پہیلیاں بجھائی ہیں اور گانوں کے متن کو قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی ہے ، معلوم نہیں کہ اب بھی وہ پوری طرح قابلِ فہم ہو سکے یا نہیں ۔ ان کی صحت کی طرف سے میں خود بھی مطمئن نہیں ، اور ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ان گیتوں کو جو شکل میں نے دی ہے وہ اس کے مطابق ہے یا نہیں ، جو ڈراما نگار کے تخیّل و تصور نے بنائی تھی ۔ ممکن ہے کبھی کوئی دوسرا متن ملے تو تقابل سے موجودہ متن کو صحت سے زیادہ قریب لایا جا سکے ۔

وقار عظیم

سمن آباد ، لاہور

۸- جون ۱۹۷۲ع

گلرو زرینہ

مصنفہ

عباس علی

: باب

پہلا منظر

دربار

[دربار آراستہ ہے ، سب درباری اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ مگر دربار میں بادشاہ نہیں ہے]

ب : **گانا**

گھانانانانا برسے گھور گھور بادل رحمت کا ۔ چمکا ہے
ارض و سما گھانانا ۔ کِھلا ہے کیا گلزار ، جگت میں ۔
خلقت گاوے گن ہے تیرا ۔ برتر ہے اعلٰی ، سب سے
والا ، افضل اور بالا ، سرور ہے اولٰی ۔ کرم کا تو
کریو پھیرا ۔ دائم ہے مولا ۔ جاودان ہے ذیشان ۔
فانی ہے دُنیا کا جھگڑا ۔ ہے چمکت نت اک دم ، تک
تک جب پران چھوڑوں لاگت ۔ ڈھا ڈھا ڈھا ڈھاوے
سنگ رنگ توڑ پھوڑ گھانانا ۔

ڈ درباری : ہاں بھر دے ساقی آج پیالہ شراب سے
خالی رہے نہ جام کسی کا شراب سے

سرا : ہو ناچ رنگ صحبتِ عیش پری رُخاں
دنیا کا لطف ہووے مہیّا شراب سے

تیسرا : اے رقاصان نازنین ، رشکِ بتانِ چین ! اے رامشگرانِ حسین ! گاؤ گاؤ ، کوئی دلچسپ راگ سناؤ ، شراب میں اپنا رنگ جماؤ ۔

اذبک : تم بھی چھک جاؤ ، میرے بہادرو ، پیو اور پلاؤ ، غٹاغٹ چڑھاؤ ، بوتل کا کاگ اڑاؤ ۔ ناچ رنگ کے دور میں ، جام شراب کو وہ گردشیں دکھاؤ ، وہ ناچ نچاؤ کہ رامشگران بھی ناچنا بھول جائیں ، سر بزم شرمائیں ، چکر میں آئیں ۔

گرو : جو مردہ دل کو خیال آئے لن ترانی کا
ہو جس کو پیری میں ارمان نوجوانی کا
پیے شراب ، مزہ پائے زندگانی کا

رامشگران : گانا

اری آؤ ، خوش گھڑیاں مناؤ ری ، مناؤ مناؤ مناؤ ری ، اری گھر گھر مگن رت چھا رہی ہے ، عیش و خوشی سے مناؤ رنگ رلیاں ، پیو پلاؤ ، دکھلاؤ چھل ، بتیاں سناؤ ری ۔

دھونکل : واہ واہ وا ، اک ہاتھ میں پیمانہ ، پیمانے میں میخانہ ، پیمانے میں مے لانا ، مے لانا ہے رقصانہ ، اور رقص میں ہے گانا ، گانا بھی ہے مستانہ ، مستانہ ہے جانانہ ، ہے بزم سلیمانہ :

ترے ناچ گانے پہ اے نازنیں
ہزار آفریں ، صد ہزار آفریں

یہ صدائے چھن ، ہوئی چھن سے چھن ، جونہی بولے
چھن تیرے گھنگھرو ، گیا دل بھی چھن ، گیا سینہ
چھن ، جوں ہی بولے چھن تیرے گھنگھرو ۔

راسشگر : یہ ناچ رنگ ہو ، یہ رنگ ڈھنگ ہو ، صحبت کا رنگ ہو ، پریوں کا سنگ ہو ، مجلس میخوار ہو ۔ دل میں ترنگ ہو ، آئی آسنگ ہو ، پھر کیا درکار ہو ۔ دورِ شراب ہو ، چنگ و رباب ہو ، لطفِ شباب ہو ، بر میں دل دار ہو ۔ دل میں ترنگ ہو ، پیالے میں بھنگ ہو ، کیسی بہار ہو ۔

اذبک : یہ تو بہک گئے ، لٹو ہو گئے ۔ آپ کا یہ سن و سال دیکھو ، یہ قیل و قال دیکھو ۔

دھونکل : آہا آہا ! چھا جھم ناچ کیا ہے رے ۔ نظر کا مارا ، ستم کٹارا ، کیا میرا دل جان لچک نے مارا ، پلک نے مارا ، کیا ہمیں بے جان ۔

اذبک : شکم پھلایا ، بھرم گنوایا ، ہوا ہے کیا نقصان ۔ کسب بھلایا ، غضب یہ ڈھایا ، ہوا ہے کیا نادان ۔

دھونکل : دھمک نے مارا ، چمک نے مارا ، کروں میں جان قربان ۔ ٹھمک دکھانا ، جھلک دکھانا ، پھر میری جان آہا ہا ہا ۔

گرو : ہاں ہاں ، یہ ہمارے دھونکل پہلوان کی توند ہے یا روئی کی گوند ہے ۔ پیٹ ایسا گول ہے گویا

بنا بنایا ڈھول ہے ۔

ڈھولکل : زباں بند کر ، یوں نہ باتیں بنا ، زیادہ نہ اب مسخرا بن جتا ۔

جو دوں پیل تن جسم کا کچھ بھی زور
تو پس کر نو وہ جائے مانندِ مور

اذبک : پر بانی جس کے پیٹ کا ڈھونکل نہ ہل سکے
تو خود وہ کیسے زور سے اٹھ اٹھ کے چل سکے

ڈھونکل : دکھاؤں تجھ کو کہ ہے مجھ میں کس قدر پانی ؟

اذبک : ہوگا ہوگا ۔ ہمت بانی ، قوتِ دل پانی ۔ تم تو بڑے پنیر ہو ، سارے ملک میں ایک تم ہی پیر ہو ۔

گلرو : ڈھونکل بھی پہلوانوں میں ہوتے شمار ہیں

اذبک : وہ پہلوانی میں تو بڑے ہوشیار ہیں

ڈھونکل : لو کچھوے جی نے بھی باؤں نکالے ۔ ارے آؤ رے میرے بھولے بھالے ، گود کے پالے ، گلرو شیر خوار متوالے ۔ جب تو پالے میں جھولتا تھا ، اس وقت میرے نام سے چین ماچین تک کانپتا تھا :

تنومند ہوں ، مجھ میں اتنا ہے زور
کہ دیووں کو سمجھوں میں مانندِ مور

گلرو : بے شک اکثر عورتیں بہت ڈرتی تھیں ۔ جدھر سے آپ گزرتے تھے بچے شور کیا کرتے تھے کہ بھاگو بھاگو

بڑا پیٹو آیا ، بڑا پیٹو آیا ۔

دھونکل : مرے نام سے زار ہے زارِ روس
ہے تاراج میں نے کیا ملک سوس
ڈرے مجھ سے دنیا کے سارے ہیں دیو
لڑائی میں بھاگا ہے مجھ سے خدیو

گرو : **گانا**

نئی نئی شیخی دکھائے ، تیرا باتیں یہ بنانا مجھے نہ بھائے ۔ ہائے ہائے غضب ، ڈھائے ڈھائے غضب ،
نئی نئی . . .

بھڑک بھڑک سب دھڑکت ، دھڑکے تھر تھر جیا را
کانپے رے ہائے ہائے رے کسب ڈھائے ڈھائے
غضب نئی نئی . . .

دھونکل : بچہ ہے تو میں کیا تجھے اس کا جواب دوں
ہو تیرا باپ سامنے تو اس سے کچھ کہوں
مت دل لگی ضعیفوں سے کر ، بند کر زباں
گارو نہ چھوٹے منہ سے بڑی بات کر بیاں

گرو : کرتے ہمیشہ بات ہیں یہ بارہ گاؤں کی
پر بارہ گز کی بھی نہیں قوت ہے پاؤں کی

[چوبدار کا اندر آنا]

چوبدار : ہوشیار ہوشیار اے اہلِ کار
تشریف لاتے ہیں ذی وقار

کھڑے دست بستہ ادب سے رہو
نہ گفتار دیگر تم ہرگز کرو

دھولکل : مجھے دربار میں اس طفل نے ذلّت دلائی ہے
مری ذلّت کی غم کی داستاں سب کو سنائی ہے
بھلاؤں میں کسی موقع پر اس کی لن‌ترانی کو
میں ہوں دھونکل کروں برباد اس کی نوجوانی کو

سب : گانا

آنے کی پڑی ہے دھوم ، اے شہنشاہ آنے کی ۔ جہاں میں ہو دھوم دھام ، خوشی کا بھر نام ۔ ایک ایک کرم کا سایۂ ابر و کرم ، شر ہو نہ غم ، رب کی قسم ، جان سے ہم تجھ پر قربان ، تمھارا ثانی کوئی نہیں ہے ۔ گیانی آئے آئے آئے ، سرور شاہِ جہاں ، کرو تسلیم سر کو جھکا کر ، جان سے ہم ہیں تجھ پر قربان ، تمھارا ثانی کوئی نہیں ہے ، گیانی ۔ آنے کی . . .

سہیلیاں : گانا

دن پایا بہار کا ، پیر و جوان ہوئے شادماں ، شادماں ، شادماں ۔ دن پایا بہار کا ۔ ایسو رین دن ہووے گانا بجانا ہو جاوداں ، پیر و جوان ہوئے شادماں ۔ چمپا ، چمبیلی ۔ گل پھوٹے چمن میں ، پھولے پھلے آم بے گماں ۔ دن پایا . . .

جہاندار شاہ : سبحان اللہ ! کیا عمدہ گانا ہے ۔ کیا خوب ترانہ ہے !

گانا جادو کا اثر رکھتا ہے ، گانے والا خدائی دعویٰ
کرتا ہے -

گانا

کہا ہے ثمر و شیریں گانا ، گتیں گاویں گنی پہچانے کیا
ہے رس بھری تانیں لیوے نت جانیں گانا بھید ہر کو
جانے ، کیا ہے -

پہلا : شہنشہ کی ہو عمر ہردم دراز
کرے بول بالا ترا کارساز
جو باقاعدہ راگ ہو آشکار
بندھا ہو کہیں تان اور لے کا تار
تو سب مرد و زن چھوڑ کر کاروبار
پہنچتے سدا ہیں ہو بے اختیار

دوسرا : انسان کا کیا ہے تذکرہ ، حیوان بھی تو ہیں فدا
پتھر درخت ، ارض و سما ، گانے کا ہے سب کو مزا

شاہ : ذکر راگ اور رنگ کا دربار میں سب نے کیا
پر یہ گُرو کس لیے خاموش سن کر ہو گیا
کیا نہیں اے نوجواں ! دل میں تیرے اس کا مزہ

گُرو : شاہ کا فرمان درست و بجا ہے ، مجھے گانے کا بھی مزہ
ہے - مگر زیادہ تر :

شوق ہے دل میں مرے گرز و سنان و تیر کا
میں مزہ رکھتا ہوں شاہا ! جنگ کی تدبیر کا

سامنے دشمن کے دکھلاؤں ہنر شمشیر کا
دیکھیے میدان میں میرا گھیرنا نخچیر کا
گرز میرا کھا کے ہوتا پیل بن بھی تنگ ہے
راگ میرا سور ہے اور رنگ میرا جنگ ہے

گانا

ہے خیال میں دھیان میں میرے لڑنا ، دیکھ شابا میدان میں توڑ کر مرنا ۔ کر ڈالوں لا کھوں میں ہوں نامی ، بہا دوں خون کا دریا ۔ خون کروں ، خوب لڑوں ، ایک نہ بچے ۔ نہ رہے ۔ خیال میں . . .

شاہ : شادماں شادماں ہے جی میرا کہا ۔ تجھ سے بہادر کم ہیں ۔ شاندار تجھ سا نہیں پایا ۔ تو سپرا ہ ہے مردانہ ، خیر خواہ دل ، دل کا کیا ، مجھ سے جی حوس ہے میرا ۔ ہے تو سچ ، آن بان ، دی شان ، لاثانی لاثانی ۔ پایا میں نے ایسا ہی خیال اے سردارو ، سرکو جھکاؤ ۔ ہے سب سردار دربار سرکار کے ہو ہے سایاں ، شادماں . . .

(دیہاتیوں کا اندر سے پکارنا)

سب : حاکم کے ہم در آ لگے پھریاد ہے پھریاد ہے
سگرے اجڑ برباد بھئے پھریاد ہے ، پھریاد ہے

شاہ : یہ کس کی فریاد ہے ، کس پر بیداد ہے ۔ کیا شور ہے ، بودر وزیر جائے غور ہے ۔ یہ کس پر ظلم و

جور ہے ؟

چوبدار : (آ کر) اے سلطان ہفت کشور ، شہنشاہِ بحر و بر ! دشتِ عنبر کے چند پیشہ ور کسان با آہ و فغاں ، گریاں و نالاں ہیں ، حضوری کے خواہاں ہیں ۔

دھونکل : (خود سے)[1] ہیں یہ بلائے ناگہانی کہاں سے آئی ۔ مردم شماری کی طرح باد ہوائی ، سب کے سب صحرائی کہاں سے آن پڑے ، راہ میں کہیں دو چار بھی نہ مرے ۔

شاہ : جلد ان کو حاضرِ دربار کرو ، انصاف کا امیدوار کرو ۔

[جانا چوبدار کا]

نوذر وزیر ! میں نہیں خیال کر سکتا کہ میری دشتِ عنبر کی نو آباد رعایا پر ایسا کوئی دکھ آیا ، جو میری اس خوشی کی محفل میں فریاد کا شور مچایا ۔

پہلا دہقانی : (اندر آ کر) اے رام رام ، مکنّدم جی ! جے ہم کیتّے آئے ؟

دوسرا دہقانی: کا (کسا) بیکنُنٹھ کا بکیجو یوئی ہے ، رام رام کا (کیا) ہریانی ہے ۔

تیسرا دہقانی : ارے کھاموس ، کیوں ڈرت ہو ، بادساہ لوکن کے محل ایسوئی ہوتے ہیں ۔

۱۔ اضافۂ مرتّب ۔ (وقار)

شاہ : اے میرے بھولے بھالے کسانو! بیان کرو ، کیا تم پر ظلم و جور ہوا ہے ، جو فریاد لے کر یہاں آئے ہو ؟

پہلا : کا (کیا) باسنّا سلامت حو ہی (یہی) ہیں جو اونچے ٹیلے پر کوکت ہیں ؟

دوسرا : ارے چپ چاپ! ٹیلہ پہ کو نت نائیں ، اونچے چبوترے پر پھرماوت ہے بھرماوت -

لوذر : بیاں تر حال آگے آ کے ، تو ان سب میں بوڑھا ہے ترا پیشہ ہے کیا ؟ تو کون ہے ؟ کیا نام تیرا ہے ؟

دہقانی : حجور باسنّا ہمرو نام تو جالم ہے - در توہے کُھدا سائے راکھے ، عبر کے کسان مان مکدّم ہوں - گڈریا کہلاوت ہوں - ہمرے گام میں ایک ہیو (ہے) جنگل ڈھور دور کے چارو تائیں کے چھوڑو ہیں - تاہی جنگل میں ہمرو گھر ہے - حجور سالک والک ، کٹم قبیلہ ، سب اوتے رہت ہیں - یا میں میوا کو درکھت بہی لگایو - وہیں ایک نئی بلا آئے کے آس جائے لگی ہے -

دھولکل : یا اللہ یہ کیا آفت آئی ، ان جنگلیوں نے کیا بات بنائی - دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے !

دہقانی : حجور! ایک ہئی جات کے لکھنّا ، کروروں جناور بھورو ، جا کا نام بھن ہے - مانس جوان کو پہاڑ کھاوت ہے - دانت ہاتھی کے سے اور سریر پہاڑ سا

دکھائی دیت ہے - چاروں اور سے ہمارے جنگل ماں در آئے ، آن پڑے ہیں - سگرو کھیتی پھل میوہ اُجاڑ دیو ، ہمرے ڈھور ڈنگر بھی پھاڑ کھائے - اب مانس کو کھاوت ہے - سگرے دیس ماں بھگدڑ پڑی ہے - ملک اُجڑ بھیو جات ہے -

دھولکل : ان کا ناس جائے کمبخت جانوروں کا جھگڑا بھی دربار میں لائے -

شاہ :
مرے عہد میں ہو رعایا کو غم
ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم

بس اب جاؤ - جب تک یہ دکھ دور نہ ہو جائے گا ، یہ سلطان کبھی آرام نہ پائے گا -

دہقانی : جیون داتا ہمرے جیو جیوں دکھ پائے - من کی آسا پائی رہے ، دکھوا ہمرے دھوئے ، گُن سدا ہم گائین تمرو ، سُکھی سُکھی سب ہوئے مالک جگ جگ راکھبو رہے -

شاہ :
ہاں اے بہادرو ! مجھے قوت تمھیں سے ہے
دربارِ بادشاہ کی زینت تمھیں سے ہے
ہر لحظہ مشورت کی ضرورت تمھیں سے ہے
اس ملک و مال کی بھی حفاظت تمھیں سے ہے
نازاں ہوں تم دلیروں پہ ، مجھ کو غرور ہے
مخلوق کو بلا سے بچانا ضرور ہے

نوذر : زیبندہ تخت و تاج پہ تو نیک نام ہو
اقبال ہم رکاب ہو ، نصرت مدام ہو
دشمن جو تیرے ملک کا عالم تمام ہو
اور سادہ اس کے دیووں کا بھی ازدہام ہو
تیرے بہادروں کا یہ ادنیٰ سا کام ہو
جو کام اس پلید کا دم میں تمام ہو

دھونکل : حضور! ان جانوروں کا کیا فکر ہے ، ان کا کیا ذکر ہے ۔ ان کا تو صحرائی نام ہے ۔ جنگلوں میں ہی رہا کرتے ہیں ۔ آئے ہیں ، چلے جائیں گے ۔ کیا وہ اپنا گھر بنائیں گے ۔ ان کا کوئی مقام ہے ، نہ کوئی قیام ہے ۔ یہ تھوڑے سے کسان نادان ناحق حیران پریشان ہوئے ۔ دو چار گاؤں کے کسان اکٹھے ہو جاتے ، رسّوں سے جکڑ لاتے ۔ پھر حضور دیکھتے میں کسی تلوار چلاتا ۔ سب کا خون بہاتا ۔ اکیلا ہی سب کا سر اڑاتا ۔

شاہ : نہیں ، اِس کا بندوبست ضرور ہے ، میرا خیال بعید و دور ہے کہ اگر سرحدی ملک ویران ہوگا تو ہمارے جانی دشمن شاہ چین کا پورا ارماں ہوگا ۔ وہ اِن پر قبضہ کرے گا ، پھر فساد بڑھے گا :

بہادر وہ رستم جو تھا نامدار
تم آرام پاتے تھے لیل و نہار

گیا ہے وہ رخصت بسوے دیار
یہ تکلیف ہوگی تمھیں ایک بار

(خزانچی سے مخاطب ہو کر) ایک طشت بے بہا جواہرات سے بھر کر لا -

دھونکل : (علٰحدہ ہو کر) اس کمبخت رستم کو بھی آج کل ہی جانا تھا ، یہی رخصت کا زمانہ تھا - اگر ایسا ہی جانا تھا تو دس پندرہ روز اور ٹھہر جاتا - وہ ہوتا تو یہ بلا اس کے گلے پڑتی ، اس کو پکڑتی ، اس کے سر چڑھتی -

[خزانچی طشت لا کر رکھ دیتا ہے]

شاہ : ہیں جمع پہلوان یہاں پیر و جوان ، بڑے جنگجو ہیں بے گماں ، ان میں ہے آن بان ، یہ ہیں صاحبِ نشان رستمِ زمان ، دکھائیں بہادری -

گانا

آج مورے من کی منسا بھئی ، آج مورے من کی منسا بھئی ، سب ہیں چتر سگھڑ باسی ڈار ڈار اور پات پات پر بنوا موئے نند جی بھئے اور جیا جنت بھئی
آج مورے -
کون دشمن پہ باندھے مار ، مار ہیں مارو رے بڑھو - بڑھو نوجوانو ، ہو نہ تم حیران ، بجے رُباب اور بِین

تت بھئی آج مو ہے ۔

[گانے کے بعد سب درباری حیران ہوتے ہیں ، گرو
سب کے چہروں کو دیکھ کر یہ کہتا ہے]

گرو : رہو سلامت ہمیشہ سرور
سدا ہو اقبال تیرا یاور
تمھارا فرمان سن کے افسر
بہادروں نے جھکا لیے سر
مگر یہ بندہ ذلیل و احقر
کرے گا قربان سر قدم پر

گانا

ڈر نہیں دل میں ذری ہے ، بڑھی ہے ، بڑھی ہے ،
ہمت بڑھی ہے ۔ عرضی مری ہے ، مسنا یہی ہے ، چنتا
نہیں ہے ، پروا نہیں ہے ، جانا وہیں ہے ، ڈر نہیں ہے ۔
جھٹ پٹ جا سب کو قتل کروں گا ، نہیں دشمن کی
مجھے پروا ۔ پر چنتا من کی یہی ہے ، شاہا ڈر نہیں ۔

دھونکل : (علٰحدہ ہو کر خوش ہوتا) چلو یہ خوب پھنسا ۔ میں
تو بچا ۔

لوذر : اے لخت جان تو ہے سوا مجھ کو جان سے
میں جاں بلب ہوا ہوں ترے اس بیان سے

گرو : عزّت ہے مانا جان سوا مجھ کو جان سے
آیا ہے خون جوش میں شہ کے بیان سے

نوذر : سمجھا ؔمیں مال و زر پہ فدا تیری جان ہے
ٹکڑوں کا سونے چاندی کا تجھ کو گماں ہے
کس بات پہ گھمنڈ تجھے نوجوان ہے
جو تو نے جان دینے پہ کھولی زبان ہے

گارو : قربان شہ کے حکم پہ یہ میری جان ہے
ہرگز نہ مال و زر پہ فدا میری جان ہے
خاموش سن کے حکم جو پیر و جوان ہے
ہمّت نے دل کے جوش سے کھولی زبان ہے

شاہ : آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو ۔

گانا

ُتو نے کیسا ہے گن پایو ، واہ رے پہلوان ، تیرے
سخن سے جیا خوش میرا ، تو نے کیا . . .
پائی امنگ ، سامان جنگ کی ، تمرے سخن سے جیا
خوش میرا تو نے کیسا . . . ختن سے دور ہے عنبر ،
کڑی ہیں منزلیں اکثر ، تجھے درکار ہے رہبر ، لے اپنے
ساتھ دھونکل کو ۔

دھونکل : (خود سے)۱ ارے ارے یہ کیا کہا ! کسے ساتھ
کیا ؟ میرا نام کیوں لیا ؟

شاہ : یہ واقف ہے راہوں سے ، بچائے گا بلاؤں سے ، یہ
بھی ہے سورماؤں سے ، لے اپنے ساتھ دھونکل کو ۔

[illegible]

دھونکل : اے جہاندار شاہ! دھونکل تابعدار ہے، جانے سے کیا عار ہے۔ مگر ساتھ گلرو کے میرے جانے کی حاجت کیا ہے، رہبری کے لیے دھونکل کی ضرورت کیا ہے۔ دریافت کرتے کرتے تو انسان ساری دنیا میں پھر آتا ہے، بلکہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

گلرو : صحرائے عنبریں نہیں کچھ ایسا دور ہے
دھونکل کو ساتھ لوں یہ بھلا کب ضرور ہے
میری مدد پہ وہ مرا رب غفور ہے

شاد : نہیں گلرو! یہ تیرا گمان ہے، اس کے ساتھ جانے میں کیا نقصان ہے۔ ایک سے دو اچھے ہوتے ہیں۔ چل اب ہم تجھے رخصت کرتے ہیں۔

سب : گانا

تیغ زن شیریں! شاد کام جاؤ جاؤ، آہرمن پیلتن شاد کام آؤ آؤ، کارکن مار بھن نیک نام پاؤ پاؤ، ہاں ہاں جاؤ جاؤ، اِس جا آس جا گھٹ داتا ہے۔ ماہ پارہ جا، رکھ کیرپا، ہر آن ہر آن، سبحان، مالک اِس کو پھرا شادمان۔ تورے سونے روپے کے لیے اعلیٰ، بالا ودرب والا، ماہ پارہ جا پہلوان خیزان۔ اس آن تو ہے یکتا۔ بندے تیرے سامنے دیکھے بھالے، تجھ سا نہیں دل سبھلے۔ سب کو بھن نے گھیر لیا ہوگا۔
تیغ زن . . . (گاتے گاتے اندر جانا)

پہلا باب

دوسرا منظر

کسان کی جھولپڑی

گانا

عورت : ہے کیسی پھرتی مزے میں پیاری جان - گاؤں مین رہوں خوشحال - مین ہو کبسی مگن مگن پیاری جان - چال مٹک ہے ، بین چٹک ہے ، ہر اک چھبن مین سجیلی پیاری کبسی -

مورے اللہ یہ کیسی خواری ہے - تیں نے سگری عمر میں تو ایک بالک دیو - وہ بھی ایسو شریر ایسو کم عقل ، نہ تو کھیتی باڑی کا دھیان ہے اور نہ کچھو کہانی کا گیان ہے -

(زور زور سے آواز دینا) مراد ، مراد ، ارے او مراد -

مراد : (اندر سے آواز دینا) ہو ری ماں ، آیو آیو تنک دیر ٹھاری رہو ، آیو -

گانا

کوئی موہے کھیلن کو ٹیسو منگاوے ، اری گیسو منگاوے -

ٹیسو منگادے جلد ، ٹیسو میں بھروں اور دل سے بھجن سناؤں ۔ نت منگل بیا کھیلنا نت دہاڑی روپ بناؤں ۔ کوئی موہے . . .

عورت : بیٹا یہ کھیل کود چھوڑ ، جا کچھ کام نہ آئے ۔ دیکھ تو نئے نئے مالک تین تین روپیہ کی نوکری کرت ہیں ۔

مراد : اری کیا کہائی کہائی پر زبان چلائی ہے ۔ توہے کا کھبر ، ہم دھیان راکھتے ہیں کہ نائیں ۔ آج سکاری سے جا کھیتن اتی گھاس کاٹ کے ڈھیر لگاؤ ہے ۔ سانجھ کو دکھاؤں کتے روپے لات ہوں ۔

عورت : آج تیں نے گھاس کاٹی ۔ مورے کہاؤ بیٹا تو روج روج ایسی کمائی کرے گا تو میں جلد تورا بیاہ کر دوں گی ۔

مراد : مورا بیاہ ، مورا بیاہ ، آہا ہا مورا بیاہ ، (خوب ہنستا ہے) ۔

عورت : بتا تو کتنے پولا باندھے ہیں ؟

مراد : اری ماں بہت پولا باندھے ہیں ۔ بڑے بڑے دو بوجھ بنائیں گے ، ایک میں اٹھا لوں گا ، ایک تم اٹھا لینا ۔

عورت : بلہاری ، بلہاری ، پرنتو بتا تو کتنے پولا باندھے ہیں ۔

مراد : ہاں گن ، نو کے اوپر پانچ دھرے تو کِتّے بھئے ۔

عورت : نو کے اوپر پانچ دھرے تو چودہ بھئے ۔

مراد : اور ان میں سات گھٹائے ۔

عورت : تو پھر سات رہے ۔

مراد : اری نائیں نائیں اب ان پر آٹھ دھرے ۔

عورت : تو پندرہ بھئے ۔

مراد : اچھا اب ان میں دو چھوٹے ہیں انھیں مت گنو ، اور چار گوردھن کاٹ کر دھر گیو ہے ، اور تین سائیں کے ہیں ۔

عورت : تو تو نے کیا کیو ہے ۔ ارے دو چھوٹے ، چار گوردھن کے ، تین سائیں کے ، جے (یہ) تو نکس گئے ۔ اب پندرہ میں سے نو نکسے تو چھ رہے ۔

مراد : (دبی آواز سے) نائیں ، دو تین رام سکھ کے باوا کے ہیں (خوس ہو کر) اری ماں ، سکاری بنیا سے میں نے گوڑ لے کر کھایو ، تو بین بولے وا کو چلے گئے ۔

عورت : تو تیرا کیا رہا ، ایک بھی نہ بچا ۔ یہ تو وہی مثل ہوئی ، بارہ برس دہلی میں رہے بھاڑ جھونکا ، دکھ اٹھایا ۔ سارے دن گھانس کاٹی ، رات کو ایک تنکا ہاتھ نہ آیا ۔

[اندر سے سور کی آواز آنا]

لوگ : مارو ، مارو ، یہ گئے یہ گئے ۔

مراد : ارے کون ہے ؟ کسے مارو ؟

عورت : ارے مراد بھاگ ادھر آ ، دیکھیں وہ جنگلی جناور آ گئے ۔ بھاگ ۔

مراد : اوہو تین چار ہیں ، وہ بھاگے جاتے ہیں ۔ وہ گئے وہ گئے ۔

[گرو کا بیر کمان لیے ہوئے آنا]

گرو : کسوں بھائی دوئی ہمن تو اِدھر کو نہیں آیا ؟ ان موذیوں کے غول کو ہے مَیں نے بھگایا ، سب مار چکا ، ہر چار نے ہے مجھ کو تھکایا ، میں نے بھی مگر چاروں کو ہے زخمی بنایا ۔

مراد : کہاں صاحب ! کیا بولت ہے ۔ تمھاری یہ پھارسی ہماری سمجھ میں نہیں آئی ۔ جاے گیر گپر کیا سنائی ، پھر پھرماؤ ، پھر پھرماؤ ۔

گرو : میاں لڑکے ہمن ایک جانور ہوتا ہے جو آدمی ، ڈھور ، کھیتی باڑی سب کھا جاتا ہے ۔ اس کے بڑے بڑے دانت ہوتے ہیں ۔

مراد : آہا جنگلی جناور پہاڑ کھاؤ ، ایسا بولو نا ۔ ہاں ہاں دیکھے ہیں ، ابھی اس طرف بھاگے ہوئے گئے ہیں ۔

گرو : کدھر گئے ہیں ؟ جلد بتا ۔

مراد : سنو صاحب وہ جو پیپل کا بڑ ہے نا ، اس کے ادھر سے نکل کر سامنے کی طرف دیکھو تو پچھم کے بائیں ایک دھڈا ہے ، اس کے اوپر دکن کو منہ کر کے پہاڑ کی طرف سیدھے چلے جاؤ ، بس وہ تین تو اس میں بھاگے جاتے ہیں ، چلو مَیں تمھیں بتاؤں ۔

[ساتھ چلنے کو تیار ہوتا ہے]

عورت : ارے کہاں مرن تائیں بلا کے منہ میں جات ہے، لوٹ ادھر آ ۔

[دھونکل کا آنا]

گرو : آہا دھونکل پہلوان آپ کہاں تھے؟ آپ تو ایسے حمپت ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ ۔

دھونکل : گرو کچھ نہ پوچھ ، بھاگتے بھاگتے دم پھول رہا ہے ۔ دلیر دھونکل اپنے حواس بھول رہا ہے ۔

مراد : آئیے جی موٹل میاں ! آپ کیت سے آئے ۔ اری ماں ماں ! سر تو دیکھ جیسے ناریل کا گولہ اور آنکھیں جیسے دیوار میں چھید اور ناک جیسے روٹی نہ پھنا ہوا بیگن ، توند کیسے پھولی ہے جیسے گھی کا کپّا ۔

عورت : ارے چپ چاپ !

گرو : **گانا**

کری مدد نہ تم نے آنے کے ، آج اکیلا بن میں پھرت ہوں ، چن چن سگرے بھن مار مار ، کری مدد نہ . . .
مگن مگن دوڑوں ، جنگل میں جنگ کیے بھن مار مار ،
دیا نہ دھونکل تو نے میرا ساتھ ، کری مدد نہ . . .

دھونکل : زر و گوہر لیا ہے تو نے ، خلعت تجھ کو پانا ہے ، تو پھر کس واسطے بہر مدد ہم کو بلانا ہے ، اِسی میں نام ہے ، تنہا جواں مردی دکھانا ہے ، ہمیں تو صرف آپ کو رستہ بتانا ہے ۔

کارو : راست ہے زر تو میں نے پایا ہے بے شمار، پر ساتھ میرے تو بھی تو آیا ہے نامدار۔ دو چار بھن ہیں، میں لاتا ہوں ان کو گھیر گھار۔ جب آئیں تیرے سامنے تو کرنا ان پہ وار۔

دھونکل : میں رہا ہوں مجھ سے بس رکھو اور آرزو
مت کر مدد کے واسطے کچھ مجھ سے گفتگو

مراد : اجی کیا بولتے ہو؟ کیا یہ بست سے فٹ بال باندھی ہے۔

عورت : ارے بیرو ناس جائے، کوئی منہ پہ دھپڑ دے کہ تو دانت نکس پڑیں گے۔

کارو : تو ٹھہرو یہاں، میں آتا ہوں، تیغ سے ان سب کا سر اُڑاتا ہوں۔ یہ بہن جانوروں کے دانتوں کی نشانی ہے، دربار میں جا کر بادشاہ کو دکھانی ہے، اب آپ کے ذمہ اِن کی نگہبانی ہے۔

دھونکل : ہاں اُن کی نگہبانی میں نے اپنے ذمہ جانی ہے، اس میں کیا آنا کانی ہے۔ (خود سے) دھونکل ہوشیار رہو، دانتوں سے خبردار رہو۔ (شرو جاتا ہے) حفاظت کرو، ٹھہرے رہو، کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں، جو اِس کا حکم سنوں۔ یہ چار دن کا غم فتحمند ہو اور عزت پائے، دھونکل نامور ہو کر ذلّت اُٹھائے۔ اس سے بہتر ہے کہ زہر کھائے، ڈوب جائے۔ اب یہی مناسب ہے کہ اس سے مل جاؤں، دشمنی کا رنگ دوستی میں دکھاؤں۔

اِس کا لہو پیوں ، کبھی نہ چھوڑوں ۔

[گارو چند دہقانوں کے ہمراہ آتا ہے]

مقدّم : اے بختاور مہلوان بیرو پران تھکان سے ہلکان بھیو ہے ۔ جانے تائیں ہم نے تمھاری جیاپھت کو سامان کیو ہے ۔

دھونکل : (علاحدہ ہو کر) یہ خوشامدی کتّے کہاں سے نکل پڑے ۔

گارو :
مرے مہربانو نہیں یہ بھی کم
جو تم مجھ سے بھرتے ہو اُلفت کا دم
ملیں گے خدا چاہے پھر تم سے ہم
مجھے دو رضا ، بس کرو اب کرم
مصیبت تمھاری ہوئی دور ہے
پہنچنا ختن مجھ کو منظور ہے

مقدّم : ہماری کُھسی تھی کہ ہمرے گریب گام میں آپ نیک کام بسرام کرتے اور کچھ دال دلیا بن آتا ، ہم ہاجر صبح و شام کرتے ۔

دھونکل : (خود سے)[۱] اور جیسے میں مر ہی گیا ہوں ۔ مجھے کوئی پوچھتا ہی نہیں ، کیا انھیں کچھ سوجھتا ہی نہیں ۔

گارو :
مہمانی سے جو کرتا ہوں انکار میں ابھی
جانا ہے اور ہوں جانے کو تیار میں ابھی

[گانا دہقانیوں و گارو کا مل کر]

۱۔ اضافۂ مرتّب ۔ (وقار)

دہقانی : اسے تاڑی پلاتے رہے نگریا ۔

گرو : انسان کو اسان سے ہے درد لازم ، ہم اسے نبھائے رہے نگریا ۔

دہقانی : شاباس شاباس ہمت توری دادا ، راکھیے لنائے نگریا ۔

دھونکل : اور شہد کے سر پر مکھی دوڑی ، اس بہانے والے کو شاباس ۔

مقدّم : اچھا ہمارے گاؤں کی تھوڑی سی انگوری شراب اور ہرن کے کباب حاضر ہیں ، پیو کھاؤ اور چلے جاؤ ۔

[دہقانیوں کا شراب دے کر چلے جانا]

دھونکل : کیا کیا ادب سے گرو کے آگے جھکائے سر
ان سب کے سامنے تو تھا موجود ، میں مگر
میری طرف تو ایک نے بھی کی نہیں نظر

گرو : دوست دھونکل آؤ ، ذرا مے‌نوشی تو فرماؤ ۔

دھونکل : ہاں کب سے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں ۔

[شراب کا گلاس بھر کے دینا]

آج پہلو میں مہ لقا ہی نہیں ، بادہ خوری کا کچھ مزہ ہی نہیں ۔ افسوس گرو دنیا میں دو چیز کا ساتھ ہے تو خوشی کی بات ہے ، ورنہ زندگی خراب ہے ، عید کا دن بھی غم کی رات ہے ۔

گلرو : نامدار دھونکل ! وہ کون سی بات ہے ، جس سے لطفِ حیات ہے -

دھونکل : ہاں اس میں ایک تو ہمارے پیشِ نظر ہے اور دوسری کا خیال دل پر ہے -

گلرو : تو کیا یہ شراب ہے ؟

دھونکل : جی جناب (منہ پھیر کر) اب لیا کوئی دم میں -

گلرو : تو اِس کا جوڑ کباب ہے ، وہ بھی موجود ہے -

دھونکل : یہ جوڑ تو خراب ہے ، اس سے کیا لطفِ شباب ہے -

گلرو : تو کباب سے سوا اور کیا جناب ہے ؟

دھونکل : گلرو شراب تو آفتاب ہے اور دوسری چیز ماہتاب ہے - (منہ پھیر کر) دیکھیے اب راہ پر آتا جاتا ہے -

گلرو : یہ کیا حساب کتاب ہے ، آفتاب کا جوڑ ماہتاب ہے ؟

دھونکل : پہلو میں ماہتاب ہو دورِ شراب ہو
جب دونو سامنے ہوں تو لطفِ شباب ہو

گلرو : تو جلد بتائیے وہ مہتاب اب کہاں ہے جس سے لطفِ شباب ہے ؟

دھونکل : اے گلعذار پھول کی سی تیری شان ہے
جس درد دل سے آج یہ کھولی زبان ہے

مر جائے گا وہ پیڑ جو پانی نہ پائے گا
برباد یونہی اپنی جوانی کو پائے گا

گرو ! مجھے تیری اس جوانی پہ رحم آتا ہے کہ تو ایسا جوان اور جوانی کے لطف سے انجان !

گرو : ابھی ہم بچے ہیں ، جب شباب کا زمانہ آئے گا ، دیکھا جائے گا ۔

دھولکل : باولے ، تاڑ سا لمبا قد ہو گیا اور ابھی جوانی کے دن آئیں گے ۔ اب کوئی دن میں بوڑھاپے خاں منہ دکھائیں گے ، پھر آپ بھی میری طرح ہو جائیں گے :

دیوانے ہوش سیکھ کدھر تیرا دھیان ہے
عورت کو زیر کرنا ہی مردوں کی شان ہے
اس جرأت اور دلیری پہ تجھ کو گمان ہے
سرداری زن پہ پائے تو تو پہلوان ہے
جنگل ہے یہ مگر تری مرضی جو پاؤں میں
جمگھٹ پری وشوں کا یہیں پر دکھاؤں میں

گرو : یہ دشت پر خطر ہے کام کیا یاں نازنینوں کا
تعجب ہے کہ جمگھٹ ہو یہاں پر مہ جبینوں کا
میں سمجھتا ہوں کہ آپ ہنستے ہیں ۔ دل لگی کرتے ہیں اور مجھے چھیڑتے ہیں ۔

دھولکل : نہیں ، ہنسی نہیں ، اس تلوار کی قسم دل لگی نہیں ۔ اگر باور نہ ہو تو اُٹھو ، ابھی چل کر دیکھ لو ۔ آؤ میرے ساتھ چلو (جانے کو تیار ہوتا ہے) :

اس ملک کے قریب ہی سرحدِ چین ہے
گویا وہ رشکِ باغِ جہاں سر زمین ہے
اس باغ کی سہانی فضا دل نشین ہے
سبزہ بھی فرشِ گل پہ بچھا ریشمین ہے

اک نازنین نازک ادا ، سو نازنین جس پر فدا ، مہ رو ، حسین و دل ربا ، شانِ کبریا ۔ خوش رنگ مکھڑا چاند سا ، گل گال پر گل کھا گیا ۔ آنکھیں وہ آہو فتنہ زا ، زلفیں سیاہ کالی بلا سینہ غضب ابھرا ہوا ۔ جس میں جوانی کا مزہ ۔ رفتار وہ قہر خدا ، ہر گام پر محشر بپا ۔ صدہا خواصیں ساتھ ہیں ، ہاتھوں میں اُن کے ہاتھ ہیں ۔ کرتی مزے دن رات ہیں ، موسم ہے اُن کے عیش کا ۔

گلرو : کیا یہ سچی تعریف ہے ؟ بس بس اب میں نہیں سنتا ۔

گانا

مورے من میں سمائے گئی ، دیکھو سجل سجل اب سندر نار ، درشن کر اب جیا لگائے رہے ، میٹھی میٹھی بتیاں اب جا کے کروں میں ۔ ریت کی بیت ہوئی سکھا ہوا جی موسا ۔ اب جا کے ملو ، ہے یہی من میں ۔ بس اب دیر نہ کیجیے دل بیقرار ہے ۔ جلد بتائیے وہ کدھر سبزہ زار ہے ۔

دھولکل : چلیے چلیے ، یہ سامنے وہ راستہ ہے ۔ بندہ بھی آتا ہے ۔

[جاتا کلرو کا]

(خود سے)[1] اب دیکھیو میری فتح اور اس کی شکست ہے ، فی الحال میرے جینے کا یہ بندوبست ہے ، معلوم ہوگا کون دوی اور کون پست ہے ۔

[جاتا]

---

۱ ۔ اضافۂ مرتّب ۔ (وقار)

تیسرا منظر

جشن گاہ

[شہزادی زرینہ کا مع اپنی سہیلیوں اور دایہ کے بیٹھے
نظر آنا ۔ سہیلیوں کا ناچنا اور گانا]

آ آ پیاری جیسی توری ہے شان ، دنیا بھر میں ایسی
کہاں گویا ہے ۔ تو مہ تاباں ، روشن تجھ سے سارا جہاں
آ آ ۔

سندر ناری ہے ، واری پیاری ہے ، مُکھ چندر ایسی پیاری
پیاری بلہاری تہاری ، کنور پیاری ، دلبر پیاری جان ۔
اچھا بھاوے ، پھل پاوے گی ، جان جان آ آ ۔

زرینہ : دایہ دیکھو یہ قدرت خدا ہے ۔ یہ جشن گاہ بھی عجب
لطف کی جا ہے ۔ حالانکہ یہ ناچ رنگ وطن میں بھی
میسر ہے ، مگر یہاں کا لطف اُس مکان سے کہیں بڑھ
کر ہے ۔

دایہ : شہزادی میری جان تم پر قربان ، یہاں کی سی بہار وطن
میں کہاں ، یہاں کا سا لطف گھر کے چمن میں کہاں ۔
یہاں سبزہ زار ہے ، پُھولا گلزار ہے ۔ پیاری برسات ہے ،

شادی دن رات ہے ۔ گل کھلکھلاتے ہیں ، کھل کر ہنساتے ہیں ، رنگ جمانے ہیں ۔ یہاں کی کیا بات ہے ۔

زرینہ : بھلا ری شگوفہ ! کچھ یاد ہے ؟ ہمارے یہاں رہنے کی کس قدر باقی میعاد ہے ؟

شگوفہ : نثار جان کروں اور تم پہ بلہاری ، یہاں کے جشن کی مدت گزر چکی ساری ، صرف دو روز اور ہیں پیاری ۔

زرینہ : ہیں یہ مہینہ تمام ہو چکا ؟ یہاں کا پورا قیام ہو چکا ؟

خدا یہ جشن ہمیں کب نصیب کرتا ہے
زمیں میں جیتا ہے کون اور کون مرتا ہے

گانا

کیا ہی تھا نو روز ، صبح و مسا غم نہ تھا ، سوچ نہ تھا ، کہاں نہ تھا ۔ کیا ہی کیا خوشی تھی اس جشن گلزار میں ۔ ہر اک تختے میں ، پھلوار میں ، رہی منشا سب دل کی درماں میں ۔ عشق گیا ، غم ملا ۔ کیا ہی . . .

دایہ : پیاری شہزادی شاید یہ دن پھر آنے والا نہیں ؟ خدا یہ جشن دکھانے والا نہیں ؟ چار دن پہلے خدا نے چاہا تو پھر یہی رنگ ہوگا ، یہی سنگ ہوگا ۔

زرینہ : شگوفہ ! جا دیکھ اگر حاصہ تیار ہو گیا ہو تو آرام محل میں جا کر دسترخوان بچھا ۔

(سب سہیلیوں کا جانا ، گلرو کا داخل ہونا (زرینہ کا اُسے دیکھ کر حیران ہونا)

ہیں یہ کون ؟

گُرو : ہیں ہیں یہ کہاں ؟ یہ باغ تو کسی کا زنان خانہ ہے !

زرینہ : او اجل گرفتہ ! تو یہاں کیسے چلا آیا ؟

گُرو : ایک پرند جانور کا شکار مجھے یہاں لایا ۔ وہ اُڑ کر اِدھر آیا ، اِس لیے میں نے اس باغ میں قدم بڑھایا ۔

زرینہ : کیا تو نہیں جانتا کہ باغ کس کی محل سرا ہے ؟

گُرو : آپ بھی کیا عقلمند ہیں ، اس کا پوچھنا ہی کیا ہے ۔ اگر میں جانتا ، کچھ پہچانتا تو یہاں کیسے آتا ۔ میں مسافر ہوں ، یہاں کے حالات سے کب ماہر ہوں ۔

زرینہ : معلوم ہوا کہ تو اپنی جان سے بیزار ہے ۔

گُرو : کون میری جان کا طلب گار ہے ۔ میرے ہاتھ میں تلوار ہے ۔

زرینہ : تو کیا ضحاک شاہ چین سے نہیں خبردار ہے ؟

گُرو : کیا یہ ضحاک کا کرار ہے ؟ تو میرا خدا مددگار ہے ۔

زرینہ : لطف اس باغ میں آنے کا دکھاتی ہوں تجھے
پاسبانوں سے گرفتار کراتی ہوں تجھے
صید کرنا یہ نڈر ہو کے بتاتی ہوں تجھے

گُرو : مجھ خستہ دل سے ہوتی ہو بیزار کس لیے
بلواتی ہو ملازمِ سرکار کس لیے

بے فائدہ یہ کرتی ہو تکرار کس لیے
کرتی ہو ناسپاس سے گرفتار کس لیے

میں خود جاتا ہوں، اپنے آنے پر پچتاتا ہوں۔ سوچا تھا کہ رستے کا تھکا ماندہ ہوں، ذرا دیر اس باغ میں آرام کروں گا۔ پھر کہیں اور آرام کی جا دیکھ لوں گا۔ خطا ہوئی، معاف کرو۔ شمشیرِ غضب غلاف کرو۔

زرینہ : خطا تو پیچھے دیکھی جائے گی مگر یہ تو بتا کہ :

غیر کے گھر میں نڈر ہو کے یہ آنا کیا تھا
عورتوں کے تئیں خنجر سے ڈرانا کیا تھا

گلرو : میری ہے کیا مجال کہ خنجر دکھا سکوں
پھر تم کو تمہارے گھر ہی میں آ کر ڈرا سکوں
ایسا کبھی خیال بھی دل میں نہ لا سکوں

آپ نے اِس وقت کچھ ایسا ہی فرمایا تھا جس پر مجھے تلوار کا خیال آیا تھا :

یہ کام مجھ سے جان کے ہرگز نہیں ہوا
شرمندہ اپنے آنے پہ ہوں، لیجیے، چلا

زرینہ : اپنا نام بتاؤ، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کہاں کا دھیان ہے؟ کہاں جاتے ہو؟ کدھر مکان ہے؟

گلرو : ختن میرا وطن ہے واں کا ادنیٰ پہلوان ہوں میں
ہے گلرو نام، نوذر کے گھرانے کا جواں ہوں میں

زرینہ : اچھا اگر تم مسافر ہو تو بیٹھو، آرام کرو بر سرِ آب
بھیج دی جائے گی کچھ آپ کی خاطر کو شراب

ہم مسافر کی مدارات کیا کرتے ہیں
اس کو آرام بہر طور دیا کرتے ہیں

گلرو : مگر بندے کی مدارات کی کیا ضرورت ہے۔ بندہ تو پُر قصور ہے۔

زرینہ : دنیا میں میہاں کی تواضع ضرور ہے
خوش میہاں نوازی سے ربِ غفور ہے
آنکھیں چرانا خلقِ مہذب سے دور ہے

گلرو : جی میں نو آپ کے گھر کا کوئی مہمان نہیں۔

زرینہ : ہم بھی ہشیار ہیں، ایسے کوئی نادان نہیں
گھر میں تو آئے ہو اور کہتے ہو مہمان نہیں

گلرو : جو بے بلائے حلا آئے، وہ مہمان کیوں کر کہلائے۔

زرینہ : آپ ہی کہو اگر کوئی انجان چلا آئے تو کیا نکالا جائے؟ مارا جائے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔

گانا

آؤ جی مسافر ٹھہرو یہاں، شب بیت کے تم ہمرے چمن
کے سرس سرس[۱] چکھیو بوٹے، جی سے گناہ سبھی ہم

۱- رسیلے - (وقار)

نے بہلائے ، چین کرو تم بے کھٹکے ، آؤ یہاں تمھیں گھر
میں بٹھاؤں ، عیش کرو تم جی بھر کے ، آؤ جی . . .

گرو : گانا

درشن ہم عجب ہیں پائے ، بے مر کمب یہاں پر در جھٹ
پٹ کر کے ، مار بھن آئے - ہم خاک خاک ، تم پاک
پاک - ہم زار زار ، تم مالدار ، تم ہو شہزادی ، مانا
گن تمرا - درشن . . .

[گرو جاتا ہے اور دایہ اُس کو جاتا ہوا دیکھ لیتی ہے]

دایہ : یہ کیا کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے - یہ کون باغ
سے باہر جاتا ہے (زرینہ کے پاس آ کر) کیوں پیاری
زرینہ میری ، کیوں چپکی کھڑی ہو ، کیا آج کسی اپنی
سہیلی سے لڑی ہو ؟

زرینہ : نہیں نو دایہ کسی سے نہیں لڑی ہوں میں
بہار دیکھ رہی باغ کی کھڑی ہوں میں

دایہ : کچھ شرماتی ہو ، لجاتی ہو ، دل ہی دل میں مسکراتی ہو ،
ہونٹوں میں ہنسی دباتی ہو - میں صدقے ، میں قربان ،
میں واری ، میں بلہاری ، چہرہ دم بدم رنگ بدلتا ہے ،
اس لیے میرا دل بھی مچلتا ہے - مگر میں اپنی زبان کو
روکتی ہوں ، تمھیں کو ٹوکتی ہوں -

زرینہ : نہیں نو دایہ ! نئی بات آج کوئی نہیں
بس اتنی بات ہے میں شب کو آج سوئی نہیں

دایہ : ہاں یہ تو میں نے جانا ، نیند کا بہانا ، میں نے مانا ۔
مگر اب صاف صاف بتاؤ ، نہ شرماؤ ، خوف نہ کھاؤ ۔

زرینہ : بھلا کیا بات ہے شرمانے کی اور خوف کھانے کی
میری تم مہرباں ہو ، بات کیا تم سے چھپانے کی
مسافر اک یہاں آیا کشش سے آب و دانے کی
اجازت دی اسے میں نے یہاں آرام پانے کی

گیا باہر ہے گھوڑا باندھنے اپنی سواری کا
وہ تھا انجان خود قائل ہوا تقصیر واری کا

دایہ : پیاری شہزادی ! تمھیں فوراً سپاہی کو بلوانا تھا ، گرفتار
اس کو کروانا تھا ۔

زرینہ : پہلے تو میں بھی یہی سوچی ۔

دایہ : مگر پھر کچھ اور ہی سوجھی ۔

زرینہ : پھر مجھے خیال آیا کہ :

کسی بے چارے مسافر پہ ستم کیا کیجے
بے گناہوں پہ بھلا تیغ علم کیا کیجے

دایہ : شاباش لڑکی ! خوب مجھے باتوں میں اڑایا ۔ جس بات کی
اصل نہ تھی ، اس کو بتایا اور جو کہنے کی تھی اسے
چھپایا ۔

زرینہ : کیا تم بار بار پوچھتی ہو ۔ (ہنس کر) بس اور کوئی
بات نہیں ۔

دایہ : دیکھو بیٹی! کہو کہو مت چھپاؤ ۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی نادانی سے کوئی بری بھلی بات کر بیٹھو ۔ پھر لینے کے دینے پڑیں ۔

زرینہ : اے میری پیاری دایہ بےشک یہ حال میں نے تم سے چھپایا :

اب مہربانِ من مری ماں سے سوا ہو تم
ہر دم مری شریک ہو ، ساتھی سدا ہو تم
محرم ہو ، رازدار ہو ، اور رہنما ہو تم

دایہ : میں نثار ، میں قربان ، سنوں تو سہی وہ کیا بات ہے ؟

زرینہ : گانا

پیت لگا کے موہن سنگ سکھیاں خوار بھئی ۔ سدھ بدھ بسری بیکل ہوئی ، جتن بتاؤ موہے ری سکھیاں خوار بھئی ۔ تن من سگرو ، پھرکت میرو ، کوئی جتن بتاؤ سبکو سکھیاں خوار بھئی ۔

دایہ : چپ چپ پیاری زرینہ خاموس ، کر ایسے سخن دل سے فراموش ، پڑے اس عشق کی صورت پہ پاپوش ۔ نگوڑے اس موئے دیوانے پن کا نام عشق رکھا ہے ۔ خاک پڑے اس پر ۔ کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ آبرو جائے گی اور رسوائی ہاتھ آئے گی ۔

زرینہ : اب تو یہ میری جان بھی جائے تو غم نہیں
الفت کا جام تلخ ہے پر اس میں سم نہیں

بے آبروئی عشق کی ذلّت سے کم نہیں
عزت کے واسطے اُسے چھوڑیں وہ ہم نہیں

دایہ : پیاری شہزادی اگر تیرا باپ سن پائے تو کیا آفت آئے۔ یہ جان رہے یا جائے ، پیاری بہتر ہے کہ تو باز آئے۔

زرینہ : ماں باپ سے چھپانا کیا دشوار ہے ، بس تیری مدد درکار ہے۔ تو ہمیشہ سے میرے دل کے ساتھ ہے ، اب میری لاج تیرے ہی ہاتھ ہے۔

دایہ : بھولی شہزادی باولوں کی سی باتیں نہ کر۔ ہوش پکڑ ، میں تیری تابعدار ہوں ، مگر سمجھاتی بار بار ہوں۔ اور وہ موا ہے کون جو باغ میں چلا آیا ہے۔ اُسے کسی نے نہ روکا نہ ٹوکا !

زرینہ :
نہیں وہ کوئی ایسا ویسا جوان
وہ نوذر گھرانے کا ہے پہلوان
ہے نام اُس کا گلرو ختن ہے مکان

دایہ : ہیں ! ختن کا جوان ، اللہ کی امان ، وہ تو دشمن جان ہے ، تیرا کدھر دھیان ہے ، کیا باؤلی ہے ، جو دشمن سے تجھے محبت کا گمان ہے۔

زرینہ : پیاری دایہ ! کیا سبھی لوگ دشمن ہوتے ہیں ، سبھی بدظن ہوتے ہیں۔

گانا

دایہ لائے گھر بلائے ، دوں زر و سیم ، نادر جانی ہے

لاثانی ہے ، جان یہ آس پہ واری ، آس پہ واری ، لائے
گھر بلائے ۔

اب تو چین ماہ جبیں کو اپنے لے جانا ہے ۔ جی میں
ٹھانا ہے ۔ نادر جانی لاثانی ہے ۔ اس پہ واروں امان
لائے . . . ۔

دایہ : گانا

بنو نہ پیاری تم ناداں ۔ چیں میں توری ہوگی ہنسی ،
اے سندریا جان ! بنو دیکھ تیرا ہوا آنکارا[۱] ، بد کہائے
نام تہارا ، کیسے ہوئے پھر گزارا ۔ مت کر ایسا دھیان
بنو پیاری ۔

زرینہ : پیاری دایہ اب تو میرا جی ہے اس در آیا ۔ مجھ پر کرم
فرماؤ ، باہر جاؤ ، بہت دیر ہوئی ، دیکھو تو سہی کہیں
چلا تو نہیں گیا ۔

دایہ : تم اپنی نادانی سے باز نہیں آتی ہو ، وہ بات کہے جاتی ہو
جس کا انجام بدنامی ہے ۔

زرینہ : گانا

ناصح کی پند سے یہ محبت نہ ہوگی کم
بلکہ نصیحتوں سے سوا ہوگی دم بدم
منت سے کہتی ہوں کہ جا اب بڑھا قدم
میٹھی زباں سے بولیو تجھ کو مری قسم

۱۔ آنکار : بھلا ۔

صدقے میں تیرے، باتوں میں لانا ذرا اسے
اچھی مری کھلائی بلانا ذرا اسے

دایہ : خیر بے صبر نہ ہو ، حواس نہ کھو ، تم اندر جاؤ۔ میں اسے بلاتی ہوں اور کسی موقعے سے اس بات کا سلسلہ اٹھاتی ہوں ۔

زرینہ : اچھا میں جاتی ہوں ، مگر اچھی دایہ دیکھنا تم اسے بلانا ، بٹھانا ۔ ایسا کام کرو کہ باتوں باتوں میں رام کرو ۔

[زرینہ جاتی ہے اور دایہ تعجب سے کہتی ہے]

دایہ : کمزور کو یہ عشق زبردست بنائے
اور بولنا گونگوں کو محبت ہے سکھائے
الفت وہ کرشمہ ہے کہ روتوں کو ہنسائے
بزدل کو دلاور کرے ، شیروں سے لڑائے
اندھوں کو ہے اس عشق نے منزل پہ لگایا
اور اچھے نظر بازوں کو ہے کور بنایا

[گلرو آتا ہے اور باغ ننہا دیکھ کر اپنے آپ سے کہتا ہے]

گلرو : ہیں ، وہ ماہرو کدھر نکل گئی ! کیا اس کی اتنی جلدی صورت بدل گئی ؟ یہ کیا بات ہے ؟

دایہ : اوہو میں ابھی جن کا ذکر سن رہی تھی وہ آپ ہی ہیں۔ آئیے ، آئیے ، تشریف لائیے ۔

گلرو : میں پہلے یہاں آیا تو سوائے شہزادی کے کوئی نظر نہ آیا ، مگر اب تمہیں پایا ۔ تم کون ہو ؟ یہاں کیوں کھڑی ہو ؟

دایہ : میں زرینہ شہزادی کی کھلائی ہوں ، یہاں ایک ضروری کام کے لیے آئی ہوں :

شہزادی آج کھاتی تھیں جب باغ کی ہوا
کہتی تھیں آج تازہ یہاں آئی ہے فضا
نظّارۂ چمن کا کچھ ایسا اثر ہوا
ہنستے ہی ہنستے ان کو تو سکتہ سا ہو گیا
آئی تھیں سیر کے لیے پژمردہ ہو گئیں
افسوس دل سی چیز وہ گلشن میں کھو گئیں

گلرو : تمہارا فرمان درست و بجا ہے ۔ اس باغ کی ایسی ہی فضا ہے ۔ مجھ پر بھی یہی حادثہ گزرا ہے ۔ دور سے جب یہ باغ نظر آیا ، جی بھر آیا ۔ قدم رکھتے ہی صبر و ہوش فراموش ہو گیا ، میرا مال بھی یہیں کھو گیا ۔

دایہ : اجی واہ !

گانا

کیا ہی من بس گئی سانوریا کی صورتیا ، میں جیرو بھرو چوری کر کے ، کیا کہو مجھ سے گڑھ کے فقرے ، گل کترے باتوں کے کن سیکھے ، تم یہ چتر سنوائی کیا ہے ؟ آ آ کرت چوری ، جھلّیا چلت ہو ، جیا آن لاوے

ہوشیار ، بنو تو چیری ۔

گرو : یہ تمھارا خیال ہے :

نہ مجھے تم سے غرض اور نہ شہزادی سے کام
مجھ کو تو لینا تھا اس باغ میں تھوڑا آرام
تم نے کھو جانے کا منہ سے جو نکالا تھا کلام
میں نے بتلا دیا گلشن کا تمھیں حال تمام

دایہ : اوہو غضب کے ہشیار ہو ، ماشاء اللہ پورے عیّار ہو ۔ طراری تمھارے ہی حصے میں آئی ہے ، یا کسی اور نے بھی پائی ہے ؟

گرو : یہ تمھاری قدر افزائی ہے ، جو مہربانی فرمائی ہے ، ورنہ کیا میں اور کیا میری گویائی ہے ۔

دایہ : اگر شہزادی کے گم شدہ مال کی تلاش کی جائے اور وہ کہیں تمھارے ہاتھ آئے :

تو پاؤ اس قدر دولت کہ مالا مال ہو جاؤ
نہ لو پھر نام دولت کا ، بہت خوش حال ہو جاؤ

گرو : جی ہاں پہلے تو مجھے اپنی پڑی ہے ۔ تلاش کیا جائے گا ، اگر ہاتھ آ گیا تو اٹھا لیا جائے گا ۔ مثل مشہور ہے ، اول خویش بعدہٗ درویش ۔

[زرینہ مع سہیلیوں کے سامان شراب لیے ہوئے آتی ہے اور باہم بیٹھنے پر گفتگو ہوتی ہے]

زرینہ : نہیں نہیں ادھر بیٹھو ۔

گلرو : وہ جگہ میرے مرتبے سے زیادہ ہے ، مجھے یہاں بیٹھنا ہی زیبا ہے ۔

دایہ : تم مرتبے میں کم نہیں شاہوں کی شان سے
ہم جانتے ہیں تم ہو بڑے خاندان سے

[گلرو زرینہ ایک پلنگ پر بیٹھ کر شراب پینے میں
مشغول ہوتے ہیں اور سہیلیاں شہزادی
کے کہنے سے (چلی) جاتی ہے]

زرینہ : سہیلیو! جلدی کام کرو ۔ آن کے واسطے کھانے کا انتظام کرو (جانا) ۔

گلرو : خدا نے دی ہے کچھ لذت عجب اس لال پانی میں
کہ لطف ایسا نہیں ہرگز حیاتِ جاودانی میں
مزا ہے زندگی کا بس شرابِ ارغوانی میں

زرینہ : **گانا**

مورے من ہری پیو مدروا ، جوسی خوشی بھر بھر پیو مدروا
لانا ذرا ۔ حیا میں صاحب کوئی چنتا ہاں نہیں کرو ،
اس میں بھرو ، من مانو میرا کہنا ، تم کو یہاں رہنا ۔
پیو جی بھر بھر کے ۔ تم مہمان ہو میرے گھر کے ،
کرو پوری ذرا حیا کی آسا مورے من ہری . . .

گلرو : آپ کی مہربانی ہے جو ایسی خاطر کی مہمانی ہے ۔ (اپنے آپ سے) اچھی گھڑی شکار کی خاطر اس گلزار کی طرف آیا ، نشانہ تیر بہدف پایا ۔

زرینہ : پایا ، کیا پایا ؟ کہیں گم ہوئی چیز کا پتا ہاتھ آیا ؟ سچ کہنا وہ میرا دل ملا ؟

گلرو : دیکھیے آنکھ تو ملی ہے ، خدا قادر ہے تو دل بھی مل جائے گا ۔

زرینہ : تو کیا میں اپنے دل کی مراد پاؤں گی ؟ اس گم ہوئے دل کو پھر قبضے میں لاؤں گی ؟

گلرو : جب دل پاؤگی ، پھر دل کی مراد بھی پاؤ گی ، مگر یہ تو بتاؤ کہ پانے والے کو کیا دلاؤ گی ۔ کچھ اس پر بھی کرم فرماؤ گی یا دل لے کر ٹھینگا دو گی ، بالا بتاؤ گی ۔

زرینہ : نا خوش نہ جائے گا اور ڈھونڈنے والے کو انعام دیا جائے گا ۔ ہاں مگر چور اس کی سزا ضرور پائے گا ۔ مجھ کو تو اس چور سر زور کی تلاش ہے ۔

گلرو : تو اس کے دل میں کیا خراش ہے ، چور کا راز تو فاش ہے ۔ اس کا پہچاننا کیا دور ہے ، مثل مشہور ہے ، چور کی ڈاڑھی میں تنکا ۔

زرینہ : یہ درست ہے :

جو چور ہے دل کا تو اسے جان لیا ہے
خوب اچھی طرح چور کو پہچان لیا ہے
پر روک حیا نے مرا دامان لیا ہے

گلرو : جی چور کی گرفتاری میں حیا نہ فرماؤ ۔ اگر تم سے لہ

ہو سکے، تو مجھے بتاؤ، ابھی باندھ لاوں ، چوری کا مزا چکھاؤں ۔

زرینہ : ہاں یہ بات ہے ؟

گلرو : ہمارا قول زباں کے ساتھ ہے اور زبان کا اقرار جان کے ساتھ ہے ۔

زرینہ : شرماؤ گے تو نہیں ؟ چور کا نام بتانے سے گھبراو گے تو نہیں ؟

گلرو : ہم شرماتے ہیں ؟ کہیں مرد بھی گھبراتے ہیں ؟

[زرینہ گلرو کا ہاتھ پکڑ کر کہتی ہے]

زرینہ : تو میرے چور تم ہو ۔

گلرو : ہیں یہ کیا فرمایا ؟ کسے چور بنایا ؟ گھر میں بلا کر الزام لگایا ۔

زرینہ : ترچھی نظروں سے دل چرانے والے
صبر و قرار کے اڑانے والے
ہو ہاتھوں پہ نثار زرینہ تیرے
اس پیاری شکل کے بنانے والے
ترچھی نگاہ پیارے تری کام کر گئی
میں کیا کہوں کہ دیکھتے ہی تجھ پہ مر گئی

گلرو : اب جو تم نے اپنی محبت جتائی تو پھر میری زبان بھی

کھلوائی اور یہ بات میرے لب پر بھی آئی :

ان شرمگیں آنکھوں کو جادو بھرا کہوں
چومک کا یا اسے اثرِ کہربا کہوں
برق کشش سے بھی اسے بیشک سوا کہوں
کھینچا مرا نگاہ سے دل ہائے کیا کہوں

زرینہ : پیارے گلرو یہ میری سچی محبت کا اثر ہے جو تیرے دل میں بھی اُلفت کا گزر ہے -

گانا

موری موہنی صورت رسیلی ہنستی بسنتی جھلاوے بھلاوے -

رخ جھلکے ، من دھلکے ، دل پھڑکے ، مل کُھل کے من بھرے ، جو سیاں عالی گوہر ، میرے دے ہنسی ماہ جبین - میرے بیاہ تو سویرے ، پھر راج ہوئے ، سرتاج اڑے - موری موہنی -

گلرو : صیاد بن کے آئے تھے یاں صید ہو گئے
آئے تھے قید کرنے کو خود قید ہو گئے
پھندے مرے مرے ہی لیے کید ہو گئے

زرینہ : پیارے گلرو! میرے اس جشن گاہ میں رہنے کا ایک مہینہ مقرر تھا ، سو وہ پورا ہوا - اب وطن کی طرف چلنے کا ارادہ ہے :

کر کوچ اب وطن کو مرے ساتھ گل عذار
واں شادی کر کے عمر سدا عیش سے گزار

گلرو : پیاری زرینہ تو بڑی نادان ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو زمانے کی چالوں سے انجان ہے ، میرا باپ ہماری جان ، بلکہ خاندان کا دشمن ہے ، آج سے نہیں ، بزرگوں سے ان بن ہے ۔

گانا

نہیں جانی شتابی کرو ، ہمری سنو ، کہو کیا ہے ۔ تمھیں جانی تمھیں بھایا ، تمھیں جانا ، چلنا بھلا ہے گھر کو ۔ سنگ ڈرنا ، سکھ کرنا ، نت رہنا ، تمھیں ڈرنا ، چین چلنا ، حل مرنا ، غم بھرنا ، پیاری جان کا دعری ہے ، نادان ناچیں جانا ، جان ہووے گا ۔ نہیں ۔

زرینہ : کچھ غم نہیں ہے سب سے جدا میرا باغ ہے
مشکل وہاں ہوا کو لگانا سراغ ہے
سامان عیش سب ہے بہت افراغ ہے
جل اس محل کا میرے تو ہی اک چراغ ہے

گلرو : پیاری وطن کو چلنے کی اب میرے من میں ہے
تو ساتھ میرے چل ، میرا مسکن ختن میں ہے
آسائش ہر طرح کی تجھے میرے وطن میں ہے

زرینہ : خیر اگر تمھاری مرضی نہیں تو کچھ روز اور یہاں قیام کریں گے ، یہیں لطف صبح و شام کریں گے (گلابیاں دیکھ کر) ہیں خالی ہوگئیں ؟ اچھا اور شراب آتی ہے ۔ (گلرو سے علٰحدہ ہو کر) یہ یوں نہ جائے گا ۔ شراب

میں بیہوشی ملاؤں ، جب چین کو لے جاؤں ۔

[زرینہ جاتی ہے]

گارو : سانپ کے منہ میں جو دوں ہاتھ تو انسان نہیں
چین کو ساتھ چلوں اس کے میں نادان نہیں

گانا

چتر سُگڑ سنورا بھر بول کے گئی یوں پیاری ، خوشی کا ماتھا ، دیکھ ناک ، دیکھ چال یہ نرالی ، دیکھ جگ نستر تھر تھر یوں کے گئی ، دلبر کی دؤاں ریت ہم نے جان ، ملب باتوں میں پھساوے ۔ رہت کھیم کشل جگر بشریوں کے گئی ۔ چتر سگڑ ۔

[زرینہ مع سہیلیوں کے شراب لے کر آتی ہے]

زرینہ : پلا دو اچھی مادر آج تم بھر بھر کے پیانہ
تمنّا ہے میرے دل میں بنو تم پیر میخانہ

[پینے میں مشغول ہوتے ہیں ، سہیلیاں گاتی ناچتی ہیں]

دایہ : دیتی ہوں تجھے یہ مے کا بھر کر جام
بیٹھو تم مل کر سدا کہ دونوں ہو گلفام

گارو : تیرا ساقی بھلائی میں ثانی کہاں
بھر بھر ساغر ہم کو پلا

زرینہ : مے سے ساقی ساغر دلبر مل جل پیکر سکھ کرنا
تجھ پر دلبر گھر در مُجھ کو ہر پل تیرا دم بھرنا

گلرو : میں بھی دلبر تیرا ہوں ، کمتر بندہ اے جان اے جان !
رہو خنداں ہو شاداں ، میں قربان ، ہر ہر آن بے شک
بے ساماں ، کرنا اے جان ! اے جان !

سہیلیاں : سورج چندر کا جوڑا پیارا کیا مکھڑا ۔ نسدن پل چھن ،
پل حل سنگ ، ہمرنگ مکھ دانا ۔ ہل مل رہنا ۔ عشرت
سہنا ۔ من کی کہنا ۔ ہم سب سکھیاں تمھیں خوش کرنا ۔

گلرو : آہا اس کی لذت کچھ عجب دل پسند ہے ۔ کیا یہ چین
کی انگوری شراب ہے ۔

زرینہ : کیوں کچھ خراب ہے ؟

گلرو : نہیں بہت نایاب ہے ۔ کیا چین کی عورتوں کی طرح چین
کے انگور بھی میٹھے ہوتے ہیں ؟

زرینہ : نہیں جناب چین کے انگور تو کھٹے ہوتے ہیں ۔

گلرو : کھٹے آہا ۔ اس دوسرے جام نے تو مجھے فلک پر پہنچا
دیا ۔ یہ شراب بہت تیز ہے میرا سر پھرنے لگا ۔ اے لو
چکر آ گیا ۔

[بیہوش ہو کر گرنا]

زرینہ : (بوسہ لے کر) شراب ایک چیز خراب ہے ۔ مگر اِس وقت
اس نے کیا کارِ ثواب ہے ۔ پورا میرا مدعا ہے کیا ۔
اسے دغا دی ، اور میرا بھلا کیا ۔

[سہیلیاں گلرو کو اٹھا کر لے جاتی ہیں ، زرینہ باقی
رہ جاتی ہے]

ارزق ! ارزق ! (ارزق ملازم کا آنا) ۔

سب نوکروں کا میرے سردار تو ہی ہے ، ہے بھروسہ مجھے تجھ پر ، ہوشیار تو ہی ہے ۔ اس وقت میرے بھید سے خبردار تو ہی ہے ۔ میں تجھ کو قسم دیتی ہوں کہ اپنے نوکروں کو قسم دے کہ خبردار یہ حال کسی پر ظاہر نہ ہو ۔ ورنہ جان سے جائیں گے ، بہت پچھتائیں گے ۔

ارزق : حضور میں تابعدار ہوں ، مگر جائے افسوس ہے کہ لونڈیاں تو انعام پائیں اور سپاہی خالی دھمکائے جائیں ۔

زرینہ : اچھا اس وقت میں تجھے اپنے گلے کا ہار دیتی ہوں ۔

[زرینہ کا جانا]

ارزق : (خود سے)[1] کیا شاہ سے یہ بات چھپے گی ۔ بھلا میں جو چھپاؤں تو مفت میں اپنی جان گنواؤں ۔ اس سے بہتر ہے کہ میں خود ہی شاہ تک پہنچاؤں ، بختک جو شہزادی کا ہے چچا زاد بہت مجھ کو چاہتا ہے مکر باز ، جا کے کہوں اس سے سارا راز ۔

[جانا]

۱۔ اضافۂ مرتّب ۔ (وقار)

چوتھا منظر

جنگل

دھونکل : افسوس کیسی سر نہ میرے آئی یہ بلا ۔ کھودا کنواں اس کے لیے میں خود ہی گر پڑا ۔ گلرو نو کرنا ہوگا وہاں چین میں مزا اور اس مصیبت میں حود ہی آ پھنسا ۔ وہی مثل برملا ہوئی ۔ طویلے کی بلا بندر کے سر اور گلرو کی بلا میرے سر ۔ گلرو تو پریوں کے پالے پڑے ، یہاں جان کے لالے پڑے ۔ جہاں میں ٹھہرایا گیا تھا ، وہاں میں نے بہت راہ دیکھی ۔ جب انتظار سے تنگ آیا نو اس باغ کی طرف قدم بڑھایا ۔ نہ وہاں جلسہ نہ گلرو پہلوان ، سنسان ، ہُو کا مکان ، آباد باغ ویران ۔ گلرو گیا تھا تو اس میں عیش کا سامان تھا ، اب جو میں گیا تو بالکل ویران تھا ۔ اپنی اپنی قسمت ہے ۔ وہ مزے لوٹیں ، ہم در غم کے پتھر ٹوٹیں ۔ اب شاہ سے کیا کہوں گا ، اس کے عتاب سے کیوں کر بچوں گا ۔ گلرو جو پھنسا تو برا ہوگا ۔ دھونکل سچ جان کہ اپنی جان کو روئے گا ۔ دھونکل باپ اس کا اس کے غم سے نہیں سوئے گا ، خنجر کو میرے خون سے دھوئے گا ۔ کس

سے میں پوچھوں اُس کا پتہ نشاں ، اُس کی تلاش میں میں جاؤں کہاں کہاں ۔ جنگل میں پھر کے ٹھوکریں کھاؤں کہاں کہاں ۔

خیر اب جو کچھ ہو سو ہو ، اب ختم کی راہ لو :

وہ کہوں شاہ کو کچھ کہنے کی جا ہی نہ ملے
بات کچھ ایسی بناؤں کہ سزا ہی نہ ملے
بے پر ایسی میں اڑاؤں کہ پتا ہی نہ ملے

[جانا]

پانچواں منظر

محل شاہ ضحاک

[عتک اور ارزق کا گفتگو کرتے ہوئے نظر آنا]

عتک : کہا تو نے ارزق یہ کیا ماجرا
زرینہ کو ہے عشق پیدا ہوا؟

ارزق : عشق ہونا ہی نامدار نہیں
سانپ لائی ہے، خالی پیار نہیں

عتک : ارے شاہزادی کے ایسے چلن
بھتیجی مری اور جوانِ ختن!

چھوٹے چھوٹے بچے اولے بن کر کیا کیا ڈھونگ پھیلاتے ہیں ۔ نادان بن کر ایسے بیہودہ کاموں سے ماں باپ کو پُھسلاتے ہیں ۔ اس چھوٹی سی عمر میں یہ فتنے جگاتے ہیں ۔ الامان! خدا کی پناہ! ظلم ظلم! فریاد فریاد! چور چور! کل جہاں کا چور اس مکان میں گُھسا ہے ۔ اے جہاں کے بادشاہ بیدار ہو ۔ اس خوابِ غفلت سے ہوشیار ہو ۔ ارے کوئی ہے؟ اٹھو! اٹھو!

[ضحاک شاہ چین کا خواب سے بیدار ہو کر نیند کی حالت میں پریشان ہو کر آنا]

ضحاک : کیسا ہے شور؟ کاہے کو غوغا مچایا ہے؟
کس واسطے محل کو یوں سر پر اُٹھایا ہے

بختک : نیکیوں سے بھرے ہوئے سلطان، نیند اب عمر بھر کی کھوئی جاں ۔ اب نہ سکھ تیری جان پائے گی ۔ قبر میں بھی تجھے نیند نہ آئے گی ۔ ارے یہ کیا آفت ہے؟ کیا مصیبت ہے؟ کیسی فضیحت ہے؟

ضحاک : میرے پیارے بھائی آج کی تمام شب میری دہشت ناک خواب سے بھری گزری ۔ مگر بیدار ہو کر تو خواب سے بھی زیادہ پریشانی دیکھتا ہوں ۔ جلدی بول کس کی فضیحتی ہوئی اور کس نے کی؟

بختک : زرینہ، زرینہ ۔

ضحاک : میری بیٹی زرینہ کی فضیحتی ہوئی ۔

بختک : نہیں ۔

ضحاک : اِس نے فضیحتی کی؟

بختک : جہاں پناہ! کیا کہوں، کیسے کہوں یہ ماجرا، دل میرا اُس درد سے ٹکڑے ہوا، سُن سکے گا تو پدر کیوں کر بھلا ۔ صاحب! مجھے جواب دو، کیا آپ نے زرینہ کو شادی کرنے کی اجازت دی؟

ضحاک : نہیں! کیا اِس نے شادی کی؟

بختک : جی نہیں! اب کرے گی ۔

ضحاک : کس کے ساتھ ؟ کسی شہر یار کے ساتھ یا کسی دشمن مکار کے ساتھ ؟

بختک :
دشمن بھی وہ دشمن کہ جو ہے جان کا دشمن
اِس تخت کا ، اِس تاج کا ، سُلطاں کا دشمن

وہ کوئی موذی ختن کا جوان ہے ، جس پر زرینہ قربان ہے ۔

ضحاک : بس ! بس ! میں زیادہ نہیں سننا چاہتا :

یہ داناؤں کا سچا قول ، سچی خوش بیانی ہے
کہ بیٹا شاہ کی نام آوری کی اِک نشانی ہے
مگر بیٹی تو دلگیری ، فضیحتی کی کہانی ہے

اِس وقت مشیر دانا وزیر نیک صلاح دینے والے نہیں ۔ فی‌الحال بختک جا کر اُن دونوں چنڈالوں کو میرے سامنے حاضر کر ۔

گانا

ابھی جا باندھ لا ۔ مت لانا تو خوف و خطر جی میں ۔ سپاہ جتنی تو چاہے وہاں پر جا لڑے ، جلدی کرکے اُس کو یہاں پر لانا ۔

[جانا]

دوسرا باب

پہلا منظر

خواب گاہ زرینہ

[ایک پلنگ پر گلرو کا سوتے نظر آنا ۔ زرینہ پاس بیٹھی ہے]

زرینہ : کیا عجائب اثر شراب میں ہے
فرق نشہ میں ہے ، نہ خواب میں ہے
تن ہے مردہ مگر ہے تن میں جان
سانس چلتی ہے اور بدن سنسان

گانا

بلما مورے جاگو رے ، نین کھولو ، سانوریا بلما ۔
جاگ سجن بہلاؤں جیرا، چندرماں مورے جی جان جاگ
خوش کر دے ، درشن دے ، پیارے پریم کٹاری توری
لاگے موہے ، بھاری کاری بلما مورے ۔

زرینہ : بے ہوشی نے بہت اثر کیا ۔ سہیلیو ہوش کی دوا لاؤ۔
اس بے ہوشی کو ہوش کی طرح آڑاؤ۔

[شیشی لے کر]

بے ہوشی کی دوا اثر دکھا چکی
عافل بنا کے اس کو وہ مجھ سے ملا چکی

[زرینہ کا شیشی سنگھانا ۔ گلرو کا ہوش میں آنا]

گلرو : ایک بھی نہیں باقی رہا
قتل چن چن کر انھیں میں نے کیا

[پھر دوبارہ بے ہوشی میں گرنا ہے]

زرینہ : **گانا**

آٹھو بتی سحر ہمری مانو رے ، نہ سوؤ رات تھوڑی ہے ، پھروا دنیا ہے جاگ رہی چین کرن کو ۔

گلرو : ہیں ! یہ میں کہاں ؟

زرینہ : قربان جاؤں تورے میرو صنم ۔ سو کاہے جگت نائیں ، آٹھی ہے نگریا ، نہ سو ۔

گلرو : بیدار ہوں کہ نیند کے ہوں میں خمار میں
یا خواب دیکھتا ہوں کسی لالہ زار میں

سہیلیاں : دنیا ہے ساری جاگ رہی سجن ملن کو پیارے ۔ چومت توری سوہنی صوریا ۔

گلرو : تو کون ہے ؟

شگوفہ : نہیں ہوں غیر میں کوئی ، میں اک لونڈی تمھاری ہوں
ہوں نوکر شاہزادی کی ، پر اب چھری تمھاری ہوں

گلرو : چیری ؟ اور میں کون ؟

زرینہ : تو میری جان ہے اور جان کا ہے قرار ، تو زرینہ کے چمن کی ہے تروتازہ بہار ، یہ زرینہ تیرے صدقے ، تیرے واری ، دلدار ۔

گلرو : زرینہ ، زرینہ :

زرینہ تو اس جشنِ گلزار میں تھی
کبھی آنے جانے کی تکرار میں تھی
محبت میں ، اُلفت میں تھی ، پیار میں تھی
مرے ساتھ کچھ قول اور اقرار میں تھی

زرینہ میں یہاں کہاں ؟ اور میں یہاں کیسے آیا ؟ آہا میری عقل بھی کیسی خراب ہے ۔ سوچا تھا کہ زرینہ کو ختن لے جاؤں گا اور اپنے محل میں بٹھاؤں گا ، یہ اسی خیال کا خواب ہے ۔

زرینہ : گانا

آؤ آؤ رے رنگیلے ، البیلے ، رے ہو جانا مت جی گھبرانا ، تیرو گھربا ہے ۔ رہے نائیں چنتا ہارے ۔ ہارے جانی جان یہ ہے ۔ چین آؤ آؤ رے رنگیلے ۔

گلرو : ختن میں یا زرینہ کے وطن میں !

زرینہ : ہائے پیارے ، گلرو زرینہ کے وطن میں ۔

گلرو : تو کیا یہ مکان ضحاک شاہ چین کا ہے ؟

زرینہ : ہاں پیارے گلرو ، یہ مکان میرے باپ ضحاک شاہ چین کا ہے ۔

گلرو : (کمال غصے سے) ، اس دیو زاد سفاک ضحاک شاہ چین کا ۔ کیا تم نے مجھے دشمن کے منہ میں پھنسایا ۔ محبت کا یہ نتیجہ دکھایا ۔ افسوس اپنے باپ کے کینے کا یوں بدلہ لیا ۔ مجھے یوں داؤں دیا ۔ اُف ! سفاک ، بے باک ، چالاک عورت اس دہشت ناک جگہ میں مجھ کو دغا سے لائی ۔

زرینہ : میرا پیارا خاوند !

گلرو : کر سامنے سے دور منہ ، افسوس ! صد ہزار افسوس !

گانا

قادر نوری نتیاں میں کیا جانوں رے ، یہ جان پیاری ، کرم کر ، ذات باری رحم دکھائے ۔ ختن پہنچائے ۔ بیچ صلاح بن دھرت نائیں ۔ پران تجوں اور کچھ کھاوے نائیں ۔

زرینہ : **گانا**

مانو مانو پیا مورا یہ کہا ۔ دھڑکا نہ جیا ، یہ نگری بیرن چین ہے ساری تیری دشمن ، پیارے ایسی باتیں نائیں زیبا ۔ مانو مانو دل و جان سے ، تجھے لوں گی میں بچا ، میں فدا ، میں فدا ، پیاری جان ، کہنا مان ، اے انجان ! اے نادان ! کہنا مان ۔ میرے جانی یہ حیرانی ۔

سرگردانی ، پریشانی ، دلبر جانی ، اے لاثانی ، مانو مانو . . .

گلرو : اچھا زرینہ ! اگر تیرا پیار صاف ہے تو کیوں
وہ کام کیا جو مرے خلاف ہے ؟
دشمن کے گھر میں لائی مجھے یوں فریب سے
کیا یہ بھی کوئی پیار کا پیاری طریق تھا

زرینہ : بے شک دغا سے لائی مگر دوستی کے ساتھ
اُلفت کا ہے ظہور مگر دشمنی کے ساتھ

گانا

کروں قربان تم پر جان ، میری جان ! ہوں میں قربان ، ہوں میں قربان ، جگ میں نہیں کوئی تجھ سا ، زیادہ خوشی ہے پریت کی ، نو لے رکنھ دھیان ، یہ جان و دل اس آن قرباں ، نہیں کروں سجن بیکل ۔ لذیذ کھانے پینے کے ، سن لے ، من لے ، من آن کی یہاں نہیں جان ۔ کروں . . .

[گانے کے بعد ایک ہیبت ناک آواز آتی ہے اور
دروازہ بھٹتا ہے]

بختک : بادشاہی محل میں کیا ڈھونگ بناتے ہو ؟ کیا فتنہ اٹھاتے ہو ؟ دروازہ کھولو ۔

زرینہ : یہ فتنہ ساز بختک کی آواز ہے ۔ یہ کیا غضب ہوا ؟ پیارے گلرو ۔ اب کیا کریں بڑی خرابی کا سبب ہوا ہے ۔

بختک : کیوں کیا دروازہ توڑنا پڑے گا ۔ اسی میں خیر ہے

دروازہ کھولو ۔ جہاں دوست کو چھپایا ہے ۔ وہاں
دشمن کو بھی جگہ دو ۔

گرو : دغا سے ، مکر سے ، افسوس پھل کوئی بھی پاتا ہے
زرینہ تیرے بھولے منہ پہ پھر مجھ کو شک آتا ہے
تیرے ہی مکر کا دام اس گھڑی مجھ کو پھنساتا ہے

نہ مرکب ہے سواری کا نہ ہے تیغ و سپر اس دم
اگرچہ میں ہوں تنہا اور عدو کی فوج ہے برہم
مگر ماروں نہ سب کو ، کچھ نہیں مجھ کو الم یا غم

زرینہ : پیارے گرو ، مجھے اپنے پہلو میں چھپا ۔

گرو : پیر کے موزے میں میرے ایک خنجر ہے چھپا
خوب یاد آیا ہے وہ زہر ہلاہل میں بجھا
بس اسی خنجر سے کاٹوں نہ میں ان سب کا گلا

بخنک : (معہ دو سپاہیوں کے دروازہ توڑ کر اندر آ جاتا ہے)
غفلت شعار اب تو کہاں جانے پائے گا
اور کیسے جان شیر کے منہ سے بچائے گا
اب یاد رکھ یہاں سے سلامت نہ جائے گا

گرو : او قرم ساق مردک ، بختک ! تو نہیں جانتا ۔ میں اپنے
خاندان میں ایک نوجوان ہوں ۔ گرو پہلوان ہوں ۔
او نامراد اگر تجھ میں طاقت ہے تو سامنے آ ، جوانمردی
دکھلا ۔ ہے کوئی ایسا جو مجھے ہلا سکے ۔

[سب سپاہی خوفزدہ ہو کر کونے جھانکتے ہیں]

بختک : میرے تو ہوش اڑے سنتے ہی نام ۔ اب دل نہیں دل میں۔
ہوا کس پہلوان سے سامنا ، پڑا ہوں سخت مشکل میں ،
میری کیا موت آئی ، جاؤں جو اس کے مقابل میں ۔

گلرو : او بزدل میموں خصال ، روباہ مثال ! مردک بختک ،
ہمت ہو تو سامنے آ ، جوانمردی دکھلا :

اگر چاہتا ہے دیکھنا تو خاک و خون کا میل
دو چار ہاتھ دیکھ دلیروں کے کھیل کھیل
دکھلاؤں تجھ کو زور جوانی کی ریل پیل
اک آن میں اکھاڑوں یہ تیری کمر کی بیل

چاہوں نہ گرز و اسپ ، نہ مرکب کے واسطے
خنجر یہ ایک کافی ہے تم سب کے واسطے

یہ جو کچھ ہے نوشتۂ تقدیر ہے ، مگر ایک تدبیر ہے ۔
جو احسان کرے عہد و پیمان کرے ، تو میں بحضور
شہنشاہ چلوں اور جو کچھ گزرا ہے بیان کروں ۔

بختک : (خود سے)[1] بہتر ہے باتوں میں اسے ٹھنڈا بناؤں میں ،
اور مکر و فریب سے قابو میں لاؤں میں (گلرو سے)[2] ۔
جو راضی ہے تو چلنے کو شاہ تک ، تو میں تیری مرضی
سے ہوں دور کب ۔ تو تسلی رکھ ، میں لڑنے نہیں آیا
ہوں ۔ تجھ کو بلانے آیا ہوں :

ہے یقیں جب کہ وہ چہرہ ترا روشن دیکھے
حسن و خوبی یہ تیری اور ترا جوبن دیکھے
رحم کھائے، وہ تجھے بن کے نہ دشمن دیکھے

---

۱ و ۲۔ اضافۂ مرتب ۔ (وقار)

حسب خواہش زرینہ سے تیری شادی ہو ، پھر تجھے شہر
میں ہر طرح کی آزادی ہو ۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں
شاہ سے تیری سفارش کروں گا ۔ خنجر پھینک اور میرے
ساتھ آ ۔ تجھے عزت سے لے چلوں گا ۔

گرو : قبول ہے ۔

زرینہ : ارے ، ارے !

بختک : باندھو اس ناپاک بے باک کو ، باندھو مضبوط باندھو ، ایک ایک جگہ سو سو بل دو ۔ (گرو سے)[1] اب کہاں ہیں ناپاک وہ سب شیخیاں ، لازم ہے کہ توڑوں تیری ہڈیاں ، اب تو نہ گھڑکی ہے نہ گیدڑ بھبکیاں ، توڑوں گھونسوں سے تیری پسلیاں ۔

گرو : او نابکار ، مکار ، دغا باز ، دغا کر کے تو فتح پا سکے گا ۔ ختن کے دلیروں سے اپنی جان بچا سکے گا ۔ اگر تو مجھے زک دے گا تو سارا ختن تیرے بچے بچے کی جان لے گا ۔ کس کس کے ہاتھ سے بچے گا ؟

زرینہ : او خدا یہ دکھ میں کیسے دیکھوں ، تو ہی قادر ہے اس بلا سے بچا ۔

بختک : خبر دار مت بھاگ او فتنہ ساز
ادھر آ ، کدھر جاتی ہے مکر باز

۱۔ اضافۂ مرتب ۔ (وقار)

تیری بھی گرفتاری کا حکم ہے۔

زرینہ : اللہ رے ظالم چچا ، تیری حھاتی یہ بد ذاتی ، اگر میں حکم نہ پاتی تب بھی اس کے ساتھ جاتی ۔ جہاں میرا گلرو جانی ، وہاں میں دیوانی ۔ اب جو ہو سو ہو یہی جی میں ہے ٹھانی ۔

بختک : کیوں گلرو لڑتے ہو ۔ اب نہیں اکڑتے ہو ۔ پٹے کے ہاتھ کھیلو گے یا تلوار کے ؟ آؤ دو دو ہاتھ ہی سہی ۔

گلرو :
نہ عاجز سمجھ مجھ کو شیطان تو
دغا کر کے بکتا ہے اس آن تو

بختک : اسے بکنے دو ۔ اب جلد اسے لے چلو ، بہت زور سے اس کی مشکیں کسو ۔

[بختک کا گلرو کو گرفتار کر کے لے جانا]

دوسرا منظر

محل

ضحاک : بس اس سما ، اب اپنی زباں کو لگام کر
آس کی سفارشوں کا نہ مجھ سے کلام کر
بدکار ہے ، نہ اس کی حمایت کا نام تر
چل دور ہٹ یہاں سے ، یہ حجت تمام کر

ملکہ : اے تاجدار میری ایک عرض !

ضحاک : تر نند اپنا سہ ، نہ دکھا بے حیا مجھے
بیٹی کا تیری صاف گنہ کھل گیا مجھے
ظاہر فصیحتی ہوئی یہ سارے حین پر
اور ناک کٹ گئی مری روئے زمین پر

گانا

ملکہ : شاہا سدا نہال ہو اور ذی وقار ہو
عفوِ خطا زرینہ کی بس اب کی بار ہو
از حد گناہ گار ہے اور بد خصال ہے
معاف ہو اس کی ، بند تری جان نثار ہو

جب ایک نور چشمی ہو اور اس پہ ہو ستم
مادر کا سینہ غم سے نہ کیوں کر فگار ہو

ضحاک : نہیں جیتی ، نہیں سنتی ہو لعنت اس حمایت پر
لگا آگ اس کے منہ کو ، خاک ڈال اس کی محبت پر
تجھے بدکار کی اُلفت ہے ، لعنت ایسی اُلفت پر

ملکہ : اس مرد بے حیا پہ تشدد نہ کم کرو
گردن پہ اس کی جاری یہ تیغ دو دم کرو
لیکن یہ میرے حال پہ شاہا کرم کرو
اس میری لاڈلی پہ نہ ہرگز ستم کرو

ضحاک : بدذات تو بھی کیا نہیں اب باز آئے گی
گر اب کی بار عفو خطا اس کی لائے گی
بیٹی کے ساتھ تیری بھی بس جان جائے گی

بختک : (آ کر) اے شاہ کیواں علم ، سکندر نشان ، دارا حشم ، نیر کوکب بخت ، گردوں آفتاب ، اے شاہِ فلک بارگاہ ، وہ دونوں منگل و سنیچر نحوست اثر ، زہرہ و مشتری کی طرح جلسے میں باہمدگر تھے - تقدیر سے بے خبر تھے - میں زحل بن کر ان کے نصیبوں پر چھایا اور مریخ بن کر جکڑ لایا - اب تو بھی برج عقرب سے طلوع ہو کر فرمان جاری کر - زندگی سے عاری کر !

وہ نوذر گھرانے کا گلرو جواں
کہ تھراتے ہیں اس سے سب پہلواں

ضحاک : آہ یہ خبر تو اور بھی میرے زخموں پر نمک پاش ہوئی ، جو اس ختنی بندر کی معاس ہوئی ۔ مختک ابھی ، اس دم اُن دونوں چنڈالوں کو میرے سامنے حاضر کرو :

ہے کینہ روئیں روئیں میں میرے تو بھر گیا
اور زہرہ کی طرح رگ و پے سے گزر گیا
یہ کینہ اب جو اس پہ نہ نکلے تو ہے کہاں
یہ زہر مل کے خون میں لے لیگا میری جان

کیوں رے او کلموہے ! گیڈر کے برادر سگ ، زرد چور بن کر چھپا پھرتا ہے ۔ بزدل نامرد ! میرے گوہر نایاب کا چرانے والا تو ہی ہے اور چھپ چھپ کے محل میں آنے والا تو ہی ہے ۔ اس جھلکے ہوئے لعل کو دیکھ کر تو سانپ کی طرح کور نہ ہوا ۔ او اجل گرفتہ آج کے دن سے پہلے تو زندہ در گور نہ ہوا ۔ جیسی تیری قسمت پھوٹی ویسی تیری دونوں آنکھیں نہ پھوٹیں ؟

زرینہ : گانا

من پتا میرے دو تم گاری نائیں ۔ سانچی باتیں تمھیں سناؤ رے ۔ دو تم گاری نائیں ۔ بس میں تمرے ہے یہ پتا رے ۔ تم ہو سرور غم ہے اس پر ۔ ظلمی تنکر غضب تو مت کر ۔ من پتا . . .

ضحاک : بدکار ، نابکار ، کمینی رزیل زن
تیروں سے چھیدنے کے ہے لائق ترا بدن

زرینہ : پدر جان لو گے تو مر جاؤں گی
مگر جگ میں یہ نام کر جاؤں گی

اب تک دنیا میں ایک کہاوت مشہور ہے ، پھر دو ہو جائیں گی ، لوگ کہیں گے کہ ایک ضحاک نے اپنے باپ کا سینہ چاک کیا اور ایک ضحاک نے اپنی بیٹی کو ہلاک کیا ۔

گلرو : آفرین ! زرینہ آفرین !

گانا

مت ستاہا ستم کرنا ، ناری ہے ستمی[1] سنو سرور ، تم رہو خوش سدا ، وہ ہے بڑا حاکم ، تو اب ظالم ، سنو سرور تم ہو خوس ، تم کو لازم نا رونا ، بھرے گا میرا دل بہت ۔

ضحاک : او نا ہنجار ، خدائی حوار ، بدکار ! کیا بک بک کرتا ہے ۔ بے حیا ڈوب نہیں مرتا ہے ۔

گلرو : گلرو کو جان کا نہیں و اللہ کچھ بھی ڈر
پر پہلے میرا ماجرا تو سن لے ، دھان کر
ہے چین دشمنوں کا مکاں ، کیسے آتا میں
یہ جان کحھ وبال نہ تھی کیوں پھنساتا میں

ضحاک : ہے ختن کا دشمنِ جانی یہ چین
پھر یہاں تو کس لیے آیا کمیں

۱۔ ستم کرنے والا دوزخی ہے ۔ (وقار)

گلرو : نہ دو گالیاں تم کو زیبا نہیں
کہ یہ بادشاہوں کا شیوہ نہیں

گانا

شاہ جی دور، اس سرائے میں رہنے آیا ۔ قسمت نے رستہ کھویا ، سائے میں آ کر سویا ، نہ شاہا اپنی خون ریزی دکھلانے آیا ، میں حیران ہوں کہ چین میں کیسے آیا ۔ تمر تلوار پیکاں کا نہ ہوش پایا ۔ کرتے ہو تم جو حواری ہوئی ہے نسدن تھاری ۔ اس دم پُر غم بے کس ، بے بس ، آپ کے در پر کیا بیان سننے دادا ۔ شاہا ۔

ضحاک : بس تک چکا کہ اور ابھی سر پھرائے گا
کچھ اور جھوٹی سچی کہانی سنائے گا

گلرو : آ کر کسی پری نے اُڑایا مجھے وہاں
اور راہ میں سواری زرینہ کی تھی رواں
اس نے مجھے لٹایا عماری کے درمیاں
تھی خواب میں زرینہ بھی اور میں بھی خفتہ جاں
کچھ سیر کر کے ہو گئی وہ تو رواں دواں
افسوس ایسے وقت کھلی چشم خفتگاں

ضحاک : ان جھوٹی باتوں سے نہیں بچنے کی تیری جاں
کیوں عورتوں کی طرح ہے یہ مکر کا بیاں
ہو دونوں بے حیا و گنہ گار ، بے گماں

گلرو : خطا معاف ہو ۔ اگر شیطان کے ہاتھ انصاف ہو تو ایسا ضرور ہو ۔ ہرگز نہ اس کے خلاف ہو ۔

ضحاک : افسوس میری جان و جگر میری زندگی میں ایسا کرے
میری نورِ نظر مجھ کو یوں اندھا کرے ۔ میرا خاص
گوشت ، میرا لہو ، میرے سامنے یہ بلوہ کرے ۔

گرو : جس قدر ہاتھی دانت اور آبنوس میں فرق ہے اسی طرح
تیرے اور اس کے گوشت پوست میں فرق ہے ۔ تو ظالم
یہ رحم دل ، تو دم باز یہ دم ساز ۔ چہ نسبت خاک را
بہ عالمِ پاک ۔

ضحاک : نہ بک نامرد کم ہمت ، کرے چھپ چھپ کے تو چوری
پھر اس پر یہ دکھاتا ہے ، ہمیں تو ذات منہ زوری ۔

گرو : اس وقت جو لاعلاج ہوں تو تُو یہ نہ سمجھ کہ میں
ہمت کا محتاج ہوں ۔ یہ سب اس مردک بختک کی
دغا بازی کا جال ہے جو مجھ پر گرفتاری کا وبال ہے :

کہ باندھا مجھ کو اس بد ذات نے قول و قسم دے کر
خدا کی مار ہو ، لعنت ہو ، ایسے جھوٹے مردوں پر
یہ وہ غم زندگی میں ہے کہ موت اس غم سے ہے بہتر

ضحاک : تمنا تھی کہ جس گلشن کو میں پھولا پھلا دیکھوں
غضب ہے اس کے خاروں سے جگر اپنا چھدا دیکھوں

گانا

زرینہ : پتا تم کو کیوں غضب نے گھیرا ، سجن ملو ہے صفت
خدا سے ، اس پر پیت راہ سدا بھجن کروں گی ۔ صفت
خدا سے ، وہ پرمیشور راکھے بچا ۔ کیوں . . .

گانا

ضحاک : مکار ہے یہ دائی بے شرم ، انھیں سولی دے دے اسی دم
انھی جا کر پھانسی دونوں کو تو دے دے ہم -
ہیں دونوں نابکار بے شرم - چڑھا ان دونوں کو دار ،
بھول جاوے سب گفتار ، دل لگی کی بہار - تجھ کو
کیا بھائے گر تو ان کو خوار ، دونوں ہیں بدکار -
جاوے تم بر بھو بھو نہو جا دور کر ہاں دور نہو
نہو تہو -

ملکہ : نہیں نہیں اے سلطان ، خدانے دو جہان بھی انسان کے
تین قصور معاف کرنا ہے - اب کی بار اس کی خطا سے
درگزر کریں -

ضحاک : نہیں حکم میرا دو ٹلنے کے قابل
مگر کیا کروں دل ہے یہ تم پہ مائل
زرینہ کو بخشا ، مگر دل ہے گھائل

خیر بھائی بجتک ابھی ، اسی دم ، اس چنڈال کو لے جا کر
پھانسی پر چڑھا اور زرینہ کو اس کی حالت دکھا ،
تا کہ دوسروں کو دہشت و عبرت ہو -

زرینہ : ارے یہ حکم تو اچھا نہ ہوا :

جب مہر کی ہے آپ نے تو پوری کیجیے
مجھ کو رہا کیا ہے ، تو اس کو بھی کیجیے
غم یا خوشی جو دیجیے ، دونوں کو دیجیے

ضحاک : بختک کیا دیکھتا ہے ۔ سزا کے حکم کے بعد اس خبیث کو کیوں میرے سامنے کھڑا کیا ہے ۔ جلدی پھانسی پر چڑھا دے ۔ عیش کا مزہ چکھا دے ۔

گلرو : تو نامردی سے مجھے قتل کراتا ہے ۔ یاد رکھ کہ آگے تو شاہِ ختن کے بیٹے کو دغا سے ہلاک کر چکا ہے ۔ اس کی موت سے گندھک کی کان تپ رہی ہے ۔ میرے اس خون سے اس میں چنگاریاں پڑیں گی اور ختن کے دلیروں کی آتش غضب بھڑکے گی ۔ بلکہ تجھ کو اور ساری چین کو خاکِ سیاہ کر دے گی ۔

تیسرا منظر

پھانسی

پہلا جلاد : ارے ٹھیک ٹھیک ٹھونک یہ پھٹ پھٹ کیا کر رہا ہے ۔ شاہ کو پھانسی کی جلدی ہے اور تجھے اتنی دیر ہوئی ، ابھی تک کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کر رہا ہے ۔

دوسرا : اور کیسے ٹھونکیں ، بڑا حکومت کرنے آیا ۔ جیسے تم ہی ہو سالار خان ۔ ٹھیک ٹھیک ٹھونک ، اور کیسے ٹھونکیں ؟

پہلا : ارے چرکٹے ! یہ ٹھونکنا ٹھانکی تیرا کام ہے ۔ کیا تو جانتا نہیں کہ کڑے خاں ہمارا نام ہے ۔ چل جلدی تیاری کر ۔

دوسرا : ارے وہ لوگ آ گئے ، آ گئے ۔

گارو :
اس چرخِ ستم گر نے کیا رنگ دکھایا
افسوس محبت کا مزا کچھ بھی نہ پایا
دل ملتے ہی منہ آ کے جدائی نے دکھایا

زرینہ : گلرو نہ تم کو چھوڑ کے غم سے بچوں گی میں
جائے گی جان یا کہ رہے سب سہوں گی میں
سچ جان تیرے مرنے سے پہلے مروں گی میں

گلرو : پیاری زرینہ اب میرے ملنے کی آس توڑ ۔ اب مجھے دل سے اپنے بھول جا ، میرا خیال چھوڑ :

مرے غم میں آنسو بہاتی ہے کیوں
بھلے چنگے جی کو جلاتی ہے کیوں
بلا سے تری میں مُوا جو ہوا
تو یہ جانیو تجھ پہ صدقے ہوا

زرینہ : اے آسمان ! کیا ہماری گرفتاری میں کوئی چینی فرشتہ بھی مدد کو نہ آوے گا ؟

بختک : افسوس پیاری زرینہ ۔

گلرو : یہ تھوڑی دیر کی خاطر محبت کس لیے کرنا
کوئی دم کا ہوں مہماں تجھ پہ ظاہر ہے مرا مرنا

زرینہ : بختک یہ میری عرض ہے اس کو قبول کر
کر قتل مجھ کو ، اِس کو نہ لیکن ملول کر
چھوڑ اُس کو ، مجھ کو مار ، نہ غصے کو طول کر

بختک : چل ہٹ یہاں سے ، نہ حجت فضول کر ۔

زرینہ : ہائے اللہ یہ آنکھیں ہمیں کیا کیا ستم دکھائیں گی ۔

گلرو : چھوڑ اب مجھ کو جانے دے قصہ تمام کر
مر جاؤں جلد میں یہ جھگڑا تمام کر

زرینہ : گلرو وہ قول یاد ہے اُس جشن گاہ کا
پیارے کیا تھا قول جو مجھ سے نباہ کا
اور مجھ سے وعدہ تو نے کیا تھا بیاہ کا

گلرو : صبر کر زرینہ ، مجھے صبر دے خدا
مرا اقرار خدا کو نہیں منظور ہوا
تا دم مرگ تو میں زیست کا بندہ رہا
اب جو مرتا ہوں تو تجھ پر جان کرتا ہوں فدا

زرینہ : اے سپاہیو ، تم ہی مہربانی کرو - پہلے مجھے مارو - میرا تن سر سے اتارو - او شیطان بختک کیا تو میری جان نہیں لے گا ؟

بختک : بدلہ تو جان لینا ہی تھا تیری چاہ کا
پر کیا کروں کہ حکم نہیں مجھ کو شاہ کا

جل ہٹ دیر ہوتی ہے -

زرینہ : نہیں ، نہیں ، میں نہیں چھوڑوں گی - اِس کے ساتھ میں بھی پھانسی پاؤں گی - جہاں یہ جائے گا ، میں بھی وہاں جاؤں گی -

بختک : خدا ایسا ہی کرے -

گرو : **گانا**

میری جان کیا ہو گئی جدائی ۔ سب سدھ بُدھ بسرای ،
میری جان جینا نائیں دم کو ، ہم جاناں مریں غم نہ
تو کرنا ، اے پیاری میری :

اے کردگار عرض ہے تیری جناب میں
سر خم ہے اور آنسو ہیں چشم پُر آب میں
میرے قصور ہوں جو ثواب و عذاب میں
توبہ ہو اب قبول گناہوں کے باب میں
سب دوست دشمنوں کو سلام و پیام ہے
دو بختِ دوستو کہ یہ آخر کلام ہے

زرینہ : اگر پھانسی کے تختے پر تجھے سونا مقرر ہے
تو میری بھی غرض ہے یہ ، یہی میرا بھی بستر ہے
اکیلے جینے سے تو ساتھ کا مر جانا بہتر ہے

[جلاد پھانسی کی رسی گرو کے گلے میں ڈالتا
ہے ، اتنے میں وزیر مشیر آ جاتا ہے]

مشیر : ذرا ٹھہر جلّاد ، دم لے ذرا
بیاں مجھ سے کر دے یہ گزرا ہے کیا
یہ پھانسی ہے کیسی ؟ یہ ملزم ہے کون ؟
یہ ہے کون نالاں ؟ یہ مجرم ہے کون ؟

بختک : ختن کا پہلوان ہے ، موت اس دم اس کی آئی ہے
زرینہ جشن گہ سے ساتھ اس کو لے کے آئی ہے

ارادہ اس کا تھا حھپ کر کرے شادی زرینہ سے
بہ حکمِ حضرتِ سلطان پھانسی اس نے پائی ہے

زرینہ : اے وزیر صاحب تدبیر کوئی حارہ کر ، ہمارا چھٹکارا کر :

چین میں تو ہی ہے اب رحم کا کرنے والا
تو ہی ہے دامنِ امید کا بھرنے والا
بے گنہ آج ہے یہ پھانسی پہ مرنے والا

مشیر : زرینہ نہ غمگین ہو اس قدر
نہ گھبرا ہراساں نہ ہو اس قدر
رہا دو ہی دن شاہ سے میں جدا
مرے جاتے ہی حشر برپا ہوا
بتا اے گرفتارِ رنج و بلا
کہ تو کون ہے؟ اور ترا نام کیا ؟

گُرو : اے نام دار وزیر :

نوذر کے خاندان کا میں پہلوان ہوں
نوذر کا نور چشم ہوں ، رستم کی جان ہوں
گُرو ہے نام میرا ، ختن کا جوان ہوں

بختک : (کنارے ہو کر) یہ وبال بیچ میں کہاں سے آ گیا ۔ اب گُرو بچا ، میں مُوا ۔ اس کا آنا اچھا نہ ہوا ۔

[ضحاک بادشاہ معہ دو چار مصاحبوں کے پھانسی
کی جگہ پر آتا ہے]

ضحاک : آؤ مشیر صاحب آؤ ۔ تم کہاں تھے اور کب آئے ؟
کس سے پائی خبر جو یہاں آئے ؟

مشیر : جہاں پناہ میں ابھی آ رہا تھا ۔ حضور کی قدم بوسی
کو جا رہا تھا ۔ راہ میں یہ ماجرا دیکھا اور ادھر
چلا آیا ۔

[اس کے بعد مشیر غمگین صورت بنا لیتا ہے]

ضحاک : کیوں ہے خاموش کوئی چیز ہے درکار تجھے ؟
لشکر و مال بھی دینے کو ہوں تیار تجھے
سارے دربار سے کرتا ہوں سوا پیار تجھے
مانگ جو چاہے کیا میں نے ہے مختار تجھے

مشیر : رہے تیرا قائم یہ جاہ و جلال
مبارک ہمیشہ تجھے ملک و مال
بہت تو نے بخشا ہے مال و منال
شب و روز ہے تجھ کو میرا خیال
مگر آج اِک آرزو اور ہے
وہ اک دور کی بات کا غور ہے

ضحاک : وہ آرزو کیا ہے ؟ لب تو ہلا
تو پائے گا دل کا ابھی مدعا

مشیر : نظر آتا ہے گنہ گار جو پھانسی پہ کھڑا
عرض کرتا ہوں کہ دے اس کو نہ پھانسی کی سزا

ضحاک : یہ کیا ؟

مشیر : اے شاہ نو نہ چونک مرے اس بیان سے
کہنا یہ بے سبب نہیں ، سن خوب دھیان سے
مت چھیڑ چھتہ بھیڑوں کا ، چھوڑ اس کو جان سے

ضحاک : کیوں کیا ہوگا ؟ چھتا چھیڑنا کیسا ؟

مشیر : میں نے پہلے بھی آپ کو مشورہ دیا تھا ۔ یاد ہوگا ۔ عرض کیا تھا کہ شاہ ختن کے بیٹے نے اپنے باپ سے آزردہ ہو کر آپ کی دوستی کا دم بھرا تھا ۔ اس کا قتل کرنا برا ہے ۔ آپس کے عہد نامے ٹوٹیں گے ۔ ختن کے دلاور دشمن بن کر چین کو لوٹیں گے ۔ مگر آپ نے میرا سمجھانا نہ مانا ، اس کو بے گناہ قتل کرایا ، شربت میں زہر ملایا :

دیکھا نہیں ختن کی عداوت کا تو نے طول
رستم کے سے دلیروں کو شاید گئے ہیں بھول
دو بار خوب جھاڑ گئے چین کی وہ دھول
برگشتہ تخت و تاج کیا ، تجھ کو دل ملول
اس پر بھی بغض ان کے دلوں سے نہیں گیا
اس کو نہ مار جان سے ، فتنے کو مت جگا

ضحاک : یہ سوچا ہے کہ پی جاؤں لہو اس بے حمیت کا
کیا ہے کام اس بد ذات نے ایسی فضیحت کا
چھڑکتے کیوں ہو تم اس آگ پر پانی نصیحت کا

مشیر : اے خوش نصیب شاہ ۔ آپ کا فرمانا درست و بجا ہے :

منظور نہیں مجرموں کی رعایت مجھے
بدکار ہیں ، یہ آن کی حمایت نہیں مجھے
آن کی سزا میں کوئی شکایت نہیں مجھے

مگر تجھ نامدار کے تخت و تاج ، ملک و راج کی طرف نظر کر کے نیک صلاح دیتا ہوں کہ ابھی تک ہملے کرنے کا میدان باقی ہے ۔ اس میں تو یہ کانٹوں کی جھاڑ بوتا ہے ۔ اندرائن کا پھل کب میٹھا ہوتا ہے ۔ وہ فولادی نوذر دیو کے مانند جب اپنے بیٹے کے مرنے کی خبر پائے گا تو ضرور بدلہ لینے کے لیے آئے گا ۔ پھر تو افسوس کرے گا اور پچھتائے گا :

بہت کو مختصر کرتا ہوں مانو اس نصیحت کو
یہ تھوڑی ہے بہت جانو ، نہ کم جانو نصیحت کو

ضحاک : بدنامی دو جہان کی لوں نو رہا کروں
رسوا بنوں ، ذلیل بنوں ، تو رہا کروں

مشیر : نہیں ایسا نہیں :

نہ زندگی سے اسے چاہیے رہا کرنا
نہ جائے جان سے پر موردِ بلا کرنا
کسی بلا میں ، کسی غم میں ، مبتلا کرنا

اسے ایک بھاری قید میں کریں گے ، پھر قتل کرنا ، پھانسی دینا ، اپنے اختیار میں ہے ۔ جب اس کے قید

ہونے کی خبر ختن پہنچے گی تو اُن لوگوں کو عبرت ہوگی -

ضحاک : تیری یہ بات میرے دھیان میں آئی وزیر ، تیری صلاحِ نیک ہوئی میرے دل پذیر ، بیژن کو اُتار پھانسی سے اور کر اسے اسیر -

اسے ہفت خواں کے تاریک کنوئیں میں قید کر ، اور آہرمن دیو جو ایک بڑا بھاری پتھر اُٹھا کر لایا تھا وہ اس کنوئیں کے اوپر دھر ، اور اسے ایسا نیچے کنوئیں میں لٹکا کہ آفتاب مہتاب کی روشنی اس تک نہ جائے ، اور اُس کے رونے کی صدا باہر تک نہ آئے اور اس غیبانی مستانی زرینہ کا محل تاراج کر اور شہر بدر آج کر :

کہ اس چاہ سے سر پٹکتی رہے
اور اُس چاہ میں یوں بھٹکتی رہے
ادھر دیکھ ناشاد او نامراد
کرے گی بہت اپنی قسمت کو یاد
چھپایا جسے چاہ سے لا کے گھر
حفاظت اب اُس چاہ پہ اس کی کر

[بادشاہ کا معہ وزیر و امرا کے چلا جانا]

زرینہ : کچھ غم نہیں ، ذرا فکر نہیں :

تِرا شکر ہے میرے پروردگار
کرم تُو نے اس دم کیا بے شمار

[گانا دونوں کا مل کر]

ہائے یہ جان کیوں بچی ، دکھ سے خاموشی ، ہائے ہائے ہائے ہائے تن من سچی خوشی پائے ، ہو من بھائے ، نظر آٹھائے ، سکھ بائے دکھ جائے ، کہیں فید آٹھائے نہیں ، من کملائے نہیں ، گلرو کے جانے نہ نائیں ، ہائے ہائے ہائے ہائے ۔ ہزار ہزار احسان ستار غفار ذیشان رحمان ۔ من سکھ کرنا ۔ مت ڈرنا ۔ چھپ ڈرنا ۔ دھیان دھرنا ۔ جتنی ماں نہیں یہ بلائے ہوتی ۔ نائیں جی کھجلائے ہائے ہائے ہائے یہ جان کیوں بچی ۔

[جانا سب کا]

چوتھا منظر

جنگل

[مقدم اور اس کی عورت کا گفتگو کرتے ہوئے آنا]

مقدم : ارے ارے تمھارا ناس جائے ۔ ساری کھیتی اُجاڑ دی ، برباد کر دی ۔ ارے کوئی ہے ۔

عورت : چوں چوں ، کاہے جو پکارتے ہو ۔

مقدم : ان کا ناس جائے ۔ بالک تو جے گام کے بھی بڑے حلمی ہیں ۔ مویشیوں نے سگری کھیتی اُجاڑ دی ۔ پولو گیرا کے دھان کی ، سگری گوّوں کو کھلائے دی ۔

عورت : اورت ، جے کھوج بیٹے بالک بھی ملے ۔ دردی میں نہ جانے کھیتی کو کوہ بالک بھی گئے یا نائیں ۔

مقدم : ارے ارے رے ، وو دوسرے کھیت میں بھی درّائے پڑے ۔

مراد : لے پیسہ روپیہ بھری رے آہاہاہا ۔ کھیرے کے کھیت میں ملے پائے ۔ روپیہ ، بنوں میں بھی سیٹھوں کا بڑا بھیا ۔ بول کھنا نا کدھن ۔ بول کھنا نا کدھن ۔ درزی بلاؤ ۔

اچھے کپڑے سلاؤ ۔ پاٹے روپیہ ، مونچھوں کو چڑھاؤں ، بول کہنا نا کہن ۔ بول کہنا نا کہن ملے پیسہ ۔ اب باپ کو جے ڈھیر مارے روپے بتا دیں گے اور کہیں گے کہ کھیتی باڑی کا دھندا چھوڑو ۔ بیٹھ بیٹھ ، کھاؤ ۔ مو بے تو ایک چھوٹو موٹو لال لال گھنا سا ٹٹو کا بچھڑا لے دو میں اس پر چڑھوں گا ۔ اور باس سا کی پھوج میں نوکری کروں گا ۔ سپاہی بنوں گا کھوب کہائی کروں گا ۔

[ایک دوسرا لڑکا مراد کو چھیڑتا ہوا آتا ہے اور گاتا ہے]

ایک لڑکا : **گانا**

ابھی بولے رے کوئل کی بولی رے ، تو بولے ناہیں جب آن پڑے باوا کی مار تمھارے سر پر ۔ کھائے بتیوں کی ، پڑی جوتوں کی مار رے ، ایک نائیں بول ، نام کھیان کا جائے تو بھول ۔ ہاتھ بندھا کے یوں بھوبوں کی کھائے ۔ دھول پاس ماتا ہے تو جائے ، وہ دیکھ ٹٹول ، مائی ہلدی پھٹکی[1] لا کے لگائے گی ۔ ارے بول بول بول کوئل بولے ۔ کوکو پیے یا رب ، تو تو میں توں ہو تب ارے رے رے مراد تیری کھبکتی آئی رے ۔

مراد : چوں موری کھبکتی چوں آئی ۔

۱۔ ہلدی پھٹکری ۔ (وقار)

لڑکا : تیرے سارے دھان تیرے ہی گائیں کھائیں ۔

مراد : گائیں دھانن میں کیسے بڑ گئیں ۔

لڑکا : تو کھلی چھوڑ گیا تھا ۔ باندھ کے تھوڑی گیا تھا ۔ وہ چلی گئیں ۔

مراد : پھر کسی نے پھیریں یا نائی پھیریں ۔

لڑکا : تیرا باپ پھیر کے لایا ۔ بڑے غصہ ہو رہا ہے ۔ سارے دھان آجڑ گئے ۔ اور ڈنگر ڈھور سب تیرے کام نا کرنے سے خراب گئے ۔

[گانا دونوں لڑکوں کا مل کر]

ارے صبر صبر کاہے رکھتی خالی ۔ لڑکا کھال بھرنے والی ۔ روک مجھے نہ خالی ، حال چلوں متوالی ۔ ٹھم ٹھم ٹھمک ۔ ہاں ٹھم ٹھم ٹھمک ۔ واہ دھم دھم دھمک ، یہ جھم جھم جھمک ۔ اوہو مراد ارے صبر صبر ۔ گیا گٹ پھٹ ، کھدے جھٹ پٹ ، پٹو گے جا کے گھر میں پھٹ پھٹ ۔ کرے گا جو زیادہ سٹ پٹ ۔ ماروں چار طمانچہ ، جھٹ نٹ ، چل ، جا نکل جا ، واکو دکھائیں ارے صبر صبر ۔

[دونوں لڑکے ایک طرف بھاگ جاتے ہیں ۔ مقدم اور اس کی عورت آتی ہے]

مقدم : یاکو نائیں جائیں ۔ مراد واکو کمبخت کیسو پچھتائے بےشرم بن گیوے ۔ نہ سمجھائے سے مانت ہے ، نہ

مار پیٹ سے ٹھیک ہووت ہے ۔ کچھو دل میں رہی واہی
کرت ۔ آج لے جائے سگرے دھان کٹوں کو گھرا بندی ناس
لگائے ۔ ویسے بے حیا کو موت بھی نائے آوت ہے ۔

عورت : ہاں ہاں چوں کو کتے ہوں ۔ تمھاری جبان نہ بند
ہووت ۔ میرو ایک تو بالک ، تم وا کو بھی کوس
کوس کھائے جاؤ گے ۔ تمھیں پریت نایں آوت ۔

مقدّم : پریت جائے ٹھینگا پر ، پر تو دیکھ آج وہ جان ہار
گھر میں آئے تو پریت دکھائے دیت ہوں ، ٹھکانے
لگائے دیت ہوں ۔ آج اُڑائے موئے مارتے مارتے
مار ڈاروں گا ۔

[سامنے سے مراد آتا ہے ۔ مقدّم غصے سے دیکھتا ہے]

مقدّم : چوں رے جان ہار تو کہتے تھا ؟

مراد : جنگل میں ہل چلائے رہو تھو ۔

مقدّم : ہل چلائے رہو تھو ، اور ڈھور کہتے تھو ؟

مراد : کا جانوں کہتے تھے ۔ میں ہل چلائے کا یا ڈھور
رکھائے کا ؟

مقدّم : رہ جان ہار ، اک تو دھان ناس لگات ہے ، اوپر سے
باتیں بنات ہے ۔ آج تے کو مار ڈالوں گا ۔ جیتا نایں
چھوڑوں گا ۔ پاپی بے حیا کی جڑ ۔

[مراد کو مارتا ہے ، عورت چھڑانے آتی ہے]

عورت : ہوں ہوں جانے دو بالک ہے۔ نادان ہے ، **واکو سمجھ** نائی تو کوئی کا کرے - کاہو کے بس کی بات ہے -

مراد : ناوا میں نوجون ہوں - گوّان تمھارے کیتے روپے کی دھان کھا گئیں ؟

مقدّم : پوچھتا ہے جاں ہار بھر موٹھی ۱۰۰ روپیہ تو زمیندار کو حلے جائیں گے - دس بیس روپیہ پھاگن تائیں تمھارے ٹھونسنے کو بھی چاہیے - جتّے چاہیے دھانن میں سے وہ آتے - کا کوئی اور دیجات[1] -

مراد : تو تمھارے ایک سو بیس کے دھان آجڑ گئے - اچھا موئے سے سوا سو لے لو -

مقدّم : ارے یہ اُس کے پاس روپے کہاں سے آئے ؟

عورت : ارے ، ارے ، مراد یہ کہاں سے لایو ؟

مقدّم : بیٹا نتاؤ کب سے لایو ؟

مراد : میں کسی کو جانتا ہوں - بس تم اپنے دھانن کے روپے لے لو - سوا سو لے لو ، ڈیڑھ سو لے لو اور جانت دو ، اب موہے روپے کی کا کمی ہے -

مقدّم : (پیار کر کے) ارے بتا نو ہن لایا کیتے سے -

مراد : بس موہے مت پیار کرو - تم تو موہے مار چکے ، ٹھکانے لگا چکے -

---

۱- کیا کوئی اور دے جاتا ہے - (وقار)

مقدّم : نائیں نایں ، بیٹا تُو تو موہے بڑے پیارو ہے ۔

مراد : میں بوجوں ہوں ، تجھے میں بیارا نایں ہوں ، تمھیں تو روپیہ پیارا ہے روپیہ ۔

عورت : بلہاری ، بلہاری ، مورے بھولے بیٹا ، بتا تو اتےّ کتے سے روپیہ لایا ۔

مراد : روپیہ تو بتاؤں گو ، پن باپ ایک برو ُجلم ہوئے گیو ۔ ہائے رے ۔

عورت : چوں بیٹا کا ُہوا ، تو بتا نو ۔

مراد : بولو بولو سکاری بھی آئے ۔ ارے ناجو ِبھن کا سکار کرے رہے ۔

مقدّم : ہاں ہاں آئے رہے ۔

مراد : بوٹو موہے جنگل ماں ابھی ملت رہا ۔ کہت رہا کے پائے جنگل ماں یو بھکاری جا کا ناؤں کَلرو تھا ، کہیں کھوئے گیو ، بتائے لاگ جانوں کوئی شیر لئے گیو ، دیو کھا گیو ، کا ہو ۔

عورت : ہائے ہائے کَلرو ۔

مقدّم : وہ تو ہمرے سر سے بلا ٹارے رہا ، بولو بڑو بھلونس تھا ۔

مراد : یو دیکھتا تھا میں سگرے جنگل ماں گھوروں وہاں کا پیسہ نہ پائیو ۔

عورت : یا پہلوان ہے ۔ تو ہمرو وا چڑنڑی دیا کر دی ہے ۔ کہد واکو ہبو رکھنا ۔ اے بھنحایو واکو سکری آفت سے بچائیو ۔

مقدم : ناوا تمہں واکو جنگل ماں ڈھونڈنے جات ہوں ۔ وائیو دو پٹی کے بنائے رہا ۔ نہیں بیٹا تو نادان ہے ۔ گھر میں بیٹھ میں ڈھونڈ کے ایتھاں لاہوں ۔

مراد : توہیں ہوں ایک تائی پورب سے بجھم تم جاؤ اور دوسرے اور آتر سے دکھن جاتا ہوں ۔ تم سارے اس جہاں میں پھر پھراؤ ، اگر ملے تو لاؤ ، نائیں تو سیدھے ٹیکشی کو چلے جاؤ ۔ داں نرکمڈ میں ادھر آؤ ۔ ادھر آؤ ۔ پھرو ، پھراؤ ، پتہ لگاؤ ، جلدی جاؤ ۔

(جانا)

باب

پانچواں منظر

دربار

[جہاندار شاہ کا دربار آراستہ ہے ۔ رامشگروں کا ناچنا اور
مل کر گانا]

ان : ہے گلکاری ، کیا کیا پیاری ، گھر گھر دھن دولت ساری ،
کہن کہن رہن ۔ نرت بہاری ہے ۔ گلشن ہے جگمگ
ہے ، پھلواری ۔ صدقے تن من جان ساری ۔ ہے گلکاری ۔
برنر ، سرور ، اختر شاہ جگدھر شاہ کر کرپا ۔ قدرت ، نصرت
اب دکھلا ۔ تجھ پر ہے جان قربان ارے ساطان ۔ ہر جزو
کل پر ہرا بھرا دل کر تو ہے گلکاری ۔

[چوبدار کا داخل ہونا]

ر : رتبہ ترا بلند ہو دونوں جہان میں
ممتاز ، شادمان ہو کون و مکان میں
رستم دلیر آ گیا زابلستان سے
واجب تھی اطلاع مجھے شاہِ زمان سے

: کیا رستم آ گیا ؟ وزیر صاحبِ تدبیر ! جاؤ اور اس کو عزت

کے ساتھ دربار میں لاؤ :

سرحد باختر پہ ہے کچھ ہو رہا فتور
کچھ فوج بھیجنا مجھے تھا اس طرف ضرور
رستم کے آنے سے مرے دل کو ہوا سرور
بھیجوں گا اس کو اب یہ کرے گا وہ فتنہ دور

[رستم داخل ہو کر آداب بجا لاتا ہے ۔ تمام درباری
اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں]

شاہ : آؤ رستم دلیر ، بہت مدت کے بعد وطن سے لوٹے ۔

رستم : ہفت آسماں بھی کم رہے تیری حساب سے
روشن ہو نام تیرا سوا آفتاب سے
چند در حمد کاروبار میں مبتلا رہا ، اِسی باعث
اتنی مدت آپ کے قدم سے جدا رہا ۔

شاہ : کہیے خیریت سے تو اہل و عیال ہیں
دل شاد ہیں وطن میں ، خوشی سے نہال ہیں

رستم : گانا

کریں ہم جان و مال تو پہ قربان ، میر کنو رب کی نظر
ہوئے مگر دُکھ دھانا کریں ۔ ہم جان گائیں تورے
اب گن ، کیا کریں ہم جان و مال تم پر قربان ۔ تو ہے
مرد گھر سے شاہ شاد ہے ۔ ساری ساری بتیاں غم کی
بھولائے ، اب تورے مولا تورے رقیبوں کو مارے ۔
بندے تیرے ہم ہردم ہیں شاہ تم پہ نثار ۔ بے شک ہے

تیری شاہی اعلیٰ رہے ۔

[چوبدار کا داخل ہونا]

چوبدار : رہے تیرا قائم سدا تخت و تاج
نیا ماجرا میں نے دیکھا ہے آج
وہ نوذر دلیر اور دھونکل ہے ساتھ
ہے نوذر کا دھونکل کی گردن میں ہاتھ
چلے آتے ہیں سوے دربار وہ
یہ لیجیے آ پہنچے سرکار وہ

نوذر : فریاد ! فریاد ! اے صاحب داد ! مجھ پر بڑی بیداد ہوئی ، زندگی برباد ہوئی ۔

شاہ : نوذر! یہ تیرا کیسا پریشان ہے بیان ۔ دھونکل تو سرائے عنبریں سے کب آیا؟ تو کیسے آیا اور وہ گلرو کہاں رہا ؟

نوذر : گلرو! ہائے گلرو !

شاہ : بتا جلد دھونکل بیاں جلد کر
کہاں ہے وہ ، گلرو کی ہے کیا خبر

نوذر : قسمت میں بڑھاپے میں داغ ایک لکھا تھا
گلرو ترے ملنے کی تمنّا میں جیا تھا

رستم : کیا گلرو مارا گیا ؟

شاہ : ہیں گلرو کا کیا حال ہوا ؟ اس خبر سے تو کمال ملال ہوا ۔

نوذر : اے شاہ کس زباں سے سناؤں جو حال ہے
پیری میں میرے سر پہ یہ آیا وبال ہے

بے چین جی ہے اور مرے دل پر ملال ہے
ہاتھوں سے میرے گر گیا وہ نونہال ہے
کچھ میرے لال کا پتا آ کر شتاب دو
ڈھونڈوں کدھر، کہاں اسے پاؤں، جواب دو

شاہ : کر صبر، اس کا دھونکل تجھ کو جواب دے گا
بیتاب دل کو تیرے تسکین و تاب دے گا

نوذر : یہ موذی دھونکل، خدا اس کا خانہ خراب کرے:
افسوس اس نے مجھ کو نہیں کچھ پتا دیا
اِک خالی گھوڑا سامنے لا کر دکھا دیا

شاہ : کھڑا کیوں ہے خاموش دھونکل دلیر
بیاں حال کرنا نہیں کیا ہے دیر
تو کس دستِ عنبر سے آیا یہاں
کہاں ہے وہ نوعمر شرو جواں؟

دھونکل : اے تاجدار تم ہو سلامت جہان میں
مجھ کو نہیں ہے عذر ذرا اس بیان میں
ہر غم سے تاب ہے نہیں میری زبان میں
مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اب زندگی نہیں بھاتی ہے۔ اے نامور شاہ، اب مجھے قتل ہی کرو تو بہتر ہے۔

رستم : بات کے صاف بیان کرنے میں کھٹکا کیا ہے
کیوں تمنا تجھے مرنے کی ہے، گزرا کیا ہے؟
سچ بتا، گلرو کو صدمہ میرے پہنچا کیا ہے

دھونکل : اے نامورو ! میری داستان پر غور کرو ۔ جب ہم دونوں بھنوں کا شکار کر چکے ، اُن کے غول کو مسمار کر چکے ، وطن کی طرف منہ اُٹھائے ، منزل بہ منزل خوش و خرم چلے آئے تو جنگل میں ایک گورخر پھرتا نظر آیا ۔ گلرو کا اس کے شکار کے لیے جی بھر آیا ۔ ہر چند میں نے سمجھایا ، پر اس کے دھیان میں نہ آیا ۔ گورخر کے پیچھے گھوڑا دوڑایا ۔ اس پر کمند ماری اور کھینچا ۔ گورخر پھنسا اور اس کے پیچھے بھاگا :

وہ گورخر تھا کوئی سیانا
شکار کا تھا فقط بہانا
وہاں سے گلرو کا تھا بھگانا
پڑا یہ آخر کو غم اُٹھانا
تمام جنگل کو میں نے چھانا
کیا حرام سب میں نے آب و دانہ
مگر نہ پایا کہیں ٹھکانا
نظر میں تاریک تھا زمانہ
وہ اسپ پھرتا تھا وحشیانہ
نہ اُس نے پایا تھا آب و دانہ
میں اُس کو لے کر ہوا روانہ
وطن کو آنا ہی خوب جانا

نوذر : جھوٹا ہے اور جھوٹ یہ بکتا ہے بے حیا
اے تاج دار دیکھیے ، موذی کا افتراء
کہتا ہے گورخر اُسے جنگل سے لے گیا
مکار میرے ہاتھ سے تو بچ سکے گا کیا ؟

چھاتی پہ چڑھ کے چاک کروں گا جگر ترا
پی جاؤں گا لہو ،یں اکھاڑوں گا سر ترا

شاہ : چھوڑ اس کو ابھی ہو نہ میرے حکم سے باہر
سچ جان کہ زندہ ہے بسر تیرا دلاور
ہے یاد نجومی نے کہا ہے مجھے اکثر
جب چین پہ لڑنے کو چڑھے گا مرا لشکر
ہمراہ مرے گلرو بھی ہووے گا مکرر

نوذر : اے سلطان ذیشان! اس تسلی اور غم خواری سے دل بے قرار کو قرار آتا ہے، مگر اس کا جھوٹ بولنا تن بدن میں آگ لگاتا ہے ۔

رستم : اے نابکار، ناہنجار! طرو ایسا کمزور و نزار تھا جو ایک گورخر کے زور سے لاچار تھا؟ تجھ کو معلوم نہیں کہ وہ ہاتھوں کے زور سے ہاتھی کے دانت توڑتا ہے، شیر کا پنجا موڑتا ہے :

یہ جھوٹی بناوٹ تری چلتی نہیں موذی
باتوں سے تری موت بھی ٹلتی نہیں موذی

شاہ : گانا

پاوے گا اسی آن، جان سزا، لے جلدی اس کو پاوے،
کچھ آب و دانہ نہ دینا نہ دینا ۔ ترسانا، ترسانا ۔ جانا
لے جانا ۔ پاوے گا ۔

دلاور نوذر! غم نہ کر، اپنا فضل وہ صمد کرے گا،

تیری مدد کے لیے ہر طرف سوار دوڑاتا ہوں ، تلاش کراتا ہوں ، خدا چاہے تو جلدی تیرے بیٹے کو تجھ سے ملاتا ہوں ۔

رستم : اے شاہ میری یہ التجا ہے :

میری طرف سے جھیلیے تکلیف اس قدر
وہ جام جس میں آتا ہے سارا جہاں نظر
اعجاز قدرتی جسے کہتا ہے ہر بشر
دربار میں منگا کے ذرا کیجیے نظر
گلرو کا میں نشان و پتا کچھ بھی پاؤں گا
سارا جہاں پھروں گا ، اُسے ڈھونڈ لاؤں گا

شاہ : ہاں خوب یاد آیا ۔ اس بات سے میرا جی شاد ہوا ۔ نوروز کا دن ہے ۔ آج گھر گھر خورشید گیا حمل کے اندر ، دیکھوں بصد خوشی اسی دم ۔ وہ جام جہاں نما لا اور ایک روپی قما طشت مرصع کار جواہر نگار میں رکھ کر لا ۔ جو میں پاک قادر سبحان کے حضور کھڑا ہو کر اپنی حاجت چاہوں ۔

[خزانچی جاتا ہے ۔ تمام اہل دربار شاہ کو دعائیں دیتے ہیں]

سب : گانا

شاد ہو خوشی سے خسرو کمال
غیر کے خدایا بخت کے زوال

بائے شاہا تو پائے خوش حال
رحم کا ہو بے کسوں پر تیرا خیال
شاہ کا جمال ہو غیر کو ملال
نصیب تا کمال ہو رہے تو لاکھ سال
رفیق ہو نونہال ہو عدو پائمال
شاہ ذوالجلال ہو شاہ ذوالجلال

[حرامجی قبا لاتا ہے ۔ بادشاہ قبا اوڑھ کر دست بستہ کھڑا ہو کر کہتا ہے]

شاہ : خداوند ، خلّاقِ کون و مکاں
توئی راز دار طلسمِ جہاں
توئی عالم الغیب ، ناظر نظیر
توئی حسب لاریب مخبر خبیر
توئی واقف رازِ سرِ نہاں
توئی راز داں و توئی غیب داں

اے پاک ، پاکیزگی پسند ، غیب داں ! اے سچ جاننے والے خداوندِ جہاں ، میں تیرے حضور میں سر جھکا کر امیدوار ہوں ، اس پوسیدہ حال کے اظہار کا طلبگار ہوں ۔

شاہ : **گانا**

تیرے نام کو جپوں میں نسدن ، باری مورے جو ہے حکم پڑی یہ اب کھول سب حال ، لاگی تورے دوارے ۔

تیرے نام کو کل کی خبر ، مجھے دے اب کھول سب
حال ، آسا لاگی اب تورے ، مورے ہردے نام کی ،
تیرے نام کی ۔

لٹو : مبارک ! مبارک ہو ! نوذر ! تجھے ۔ گلرو تیرا زندہ ہے ،
وہ جیتا ہے ، سلامت ہے ۔

نوذر : اے خوش نصیب شاہ ! بےشک تُو رازداں ہے ، گلرو
میرا کدھر ہے اور کہاں ہے ؟

شاہ : ہے زندہ مگر جینے سے اب تنگ ہوا ہے
رنج و غم و اندوہ کے اب سنگ ہوا ہے
ہلدی کی طرح زرد وہ خوش رنگ ہوا ہے
اور قید کی سختی سے بہت تنگ ہوا ہے

ایک کنواں ہے اور گلرو اس میں اُلٹا لٹک رہا ہے ۔
زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ، ایک حور اس کی نگہبان
ہے ، اور اس پر فدا ہے ۔

نوذر : اے شاہ چاند ہے وہ مرا کس غبار میں
گلشن میں ہے کہ دشت میں یا کوہسار میں

رستم : بندہ نواز قید ہے وہ کس دیار میں ؟

شاہ : ہفت خواں نام ، ہے ایک چین میں ، دشت خونبار ،
واقعی دشت ہے ، وہ بیابان پُرخار ہے ۔ غضب ناک
بیابان میں اندھیرا غار ہے اور اس غار میں گلرو جانی

زار ہے :

ضحاک نے گلرو کو گرفتار کیا ہے
اس بند گراں نے آسے لاچار کیا ہے

نوذر : اسی ظالم نے یوں غم دے کے کملایا ہے گل میرا
اسی بد داب کی شوخی سے مرجھایا ہے گل میرا

رستم : اے شاہِ عالم پناہ !

گانا

تیرا ثانی شاہ کون ایسا ہووے گا ۔ ناکارہ پانی پانی ایسا ہوَد ۔ جو نادانی کرنا ۔ ہم نے جانا ۔ غم کا بانی بے شک وہ ہووے گا ۔ شاہ کدا لاثانی ہے ، بے ایمانی ہے ، غم کا وہ بانی ہے ، دشمن جانی ہے ۔ ظالم دیکھے گا ۔ میں بھی رستم نامی ہوں ۔ جانتا ہوں ۔

شاہ : کس قدر درکار ہوگی فوج تم کو نامور
چاہیے سامان کتنا ؟ اور کتنا مال و زر ؟

رستم : سلامت رکھے سلطان ، خدائے دو جہان تجھ کو ۔ نہیں اس کام میں درکار کچھ فوج گراں مجھ کو ۔ چین پر لڑائی نہیں کرنا ، بلکہ حکمت سے گزرنا ہے ۔ اگر ضحاک لڑائی کی خبر پائے گا تو فوراً گلرو کو قتل کرائے گا ۔ پھر خست بے سود ہوگی ۔ سوداگروں کا لباس کر کے جاؤں اور حفیہ گلرو کو چھڑاؤں ۔ پھر لڑائی کا مزا چکھاؤں ۔

شاہ : آفریں تجھ پر بہت عاقل و دانا ہے
تو تجربہ کار ہے اور خوب سیانا ہے
میں راضی ہوں تیرے کہنے سے تو نے دیکھا زمانہ ہے

رستم : اب حکم دیجیے کہ مجھے سو ملیں سوار
ہوں وہ چیدہ ، زیرک و دانا و ہوشیار
سو اونٹ اور اُن پر سامان زر نگار
کم خواب اور حریر اور زربفت کا ہو کار
تاجر بنوں گا ، پہنچوں گا شہر و دیار میں
گارو کو اپنے لاؤں گا یوں اختیار میں

شاہ : ابھی سب کچھ تیار ہوتا ہے ، اونٹوں پہ بار ہوتا ہے -
سو سوار کو خود پہچان لے ، اُن کے واسطے مجھ سے
فرمان لے -

رستم : اب ایک اور التجا ہے -

شاہ : وہ کیا ہے ؟

رستم : اُذبک کو میرے ہمراہ کیجیے - جو خوش مزاجی میں
کام آئے گا اور دھونکل کو قید سے منگائیے ، اور میرے
ساتھ روانہ فرمائیے -

شاہ : دھونکل ابھی رہائی نہیں پائے گا ، ابھی تو وہ بہت
سختیاں اُٹھائے گا ، ہاں اُذبک تمھارے ضرور ساتھ
جائے گا -

رستم : بس پا چکا سزا ہے بہت نامدار وہ
شرمندہ اپنے کام سے ہے بار بار وہ
اپنی سزا کو پہنچ چکا بد شعار وہ

بہتر یہی ہے کہ اسے معاف کیجیے ، مجھ پر کرم کیجیے - اگر گلرو سلامت نہ آئے گا تو پھر دھونکل ضرور جان سے مارا جائے گا -

شاہ : خیر اس کہنے کو بھی میں نے ترے مان لیا
جا کے دھونکل کو چھوڑا میں نے یہ فرمان دیا

خدا تم کو تمھاری مراد میں کامیاب کرے -

سب : آمین ، آمین !

گانا

اے داتا تو سب کا پشت و پناہ ، بے شک ہے حامی سب کا ، جز و کل کا ، لگن لگن اگر سارا گل چمن کھلائے - داتا گلرو کو چھوڑا جا کے یہاں لا - ملائے وہ خدا - اگر فتح پاوے گا - دلداری غمخواری ، رکھ باری تو جاری دکھلاوے گلکاری - پیارے تو جا - پائے فتح شکر خدا سے سدا ، مانگو دعا سب تم ہاتھ اٹھا - تو مولا ہے اولیٰ ، ادنیٰ اعلیٰ تو رحمان ، تو سبحان ، فضل کرم کر تو اس پر اے داتا -

[جانا]

تیسرا باب

پہلا منظر

اگلا جنگل

[ایک پہاڑ پر کنواں نظر آتا ہے ، جس میں گلرو قید ہے ۔
زرینہ موجود ہے]

گلرو : افسوس اے زرینہ ! نادان دوست پیاری ۔

زرینہ : ہزار افسوس اس غم میں بھی مجھ کو یاد کرتا ہے ۔
میرا ہی نام ہردم لے کر فریاد کرتا ہے ۔

گلرو : افسوس دل میں تھے مرے ارماں نئے نئے
سوچے تھے جی میں عش کے ساماں نئے نئے
دکھلائے بخت بد نے بیاباں نئے نئے
قید الم میں خالہٗ زنداں نئے نئے

زرینہ : گلرو ، پیارے گلرو ! کچھ سنتا ہے ؟ کوئی تیری یاد میں
سر دھنتا ہے ۔

گلرو : اس دکھ میں اس الم میں کسے غم زدوں سے کام
گلرو سیاہ بخت کا لیتا ہے کون نام

زرینہ : شیدا تری دیوانی تری جان زرینہ
سو جان سے ہوتی تھی جو قربان زرینہ

معشوقہ تری پیاری وہ نادان زرینہ
مدت سے یہاں بھرتی ہے حیران زرینہ

گرو : زرینہ ، زرینہ ، ہائے پیاری زرینہ :.
اس دشت پُرخطر میں ہے سُو گل بدن کہاں
صحرائے غم ہے ، اس میں دو رشک چمن کہاں
نازک بدن تو آئی آٹھانے محن کہاں

زرینہ : **گانا**

پیارے جہاں نو رہت گزر ، کرت رہ بہت توری بیاری میں ہوں ۔ پڑی جان سے اڑی پھرتی ہوں ، دکھ پیارے جب سے سنی تیرے دکھ کی خبریا ، مورے جیرا لاگی ، میں مری پھری ، صحرا جھانتی بھری دوڑی ، کوسوں بھاگی میں سہوں پیا جان یہ ملا ۔ لاج راج را دھی کیسے کروں نہیں مانتا جیا ۔ نہ آئی آئی قصاؤں کی سی رہے ، اب جو میں نے تیری صدا جیا میں پڑی جان نثار ۔ جہاں نو . . .

تو تو یوں قید میں ہو اور میں آرام کروں ۔ چار دن کے لیے کیوں عشق کو بدنام کروں ۔ اب یہ جنگل میرا گلستان اور یہ کنواں میرے عیس کا مکان اور اس کنوئیں میں میری جان ۔ پھر جان کو چھوڑ کر کہاں جاؤں ۔ کیوں کر تیری جدائی کے صدمے آٹھاؤں ۔

گرو : احسان اس خدا کا جو کچھ اس کو رحم آیا
بچھڑے ہوئے دلوں کو جو اس نے پھر ملایا

زرینہ : ویران اس خدا کے ہوا وہ جو مہرباں
سوراخ اک ملا مجھے پتھر کے درمیاں
اس میں سے تجھ کو دیکھ کے تسکین ہو گئی
ورنہ تری جدائی سے پھرتی تھی نیم جاں

گلرو : زرینہ اب تو جا۔ میرے ساتھ اپنی جان بلا میں نہ پھنسا۔

زرینہ : نہیں، نہیں، مرتے دم تک تیرے ساتھ رہوں گی :

بھوکے ہیں تو پھر بھوکے ہی ہمراہ رہیں گے
گر موت بھی آئے گی تو ہمراہ رہیں گے

گلرو : آب و دانہ کو فلک اب مجھے ترساتا ہے
تیرے مہمان کا ارمان میں جی جاتا ہے
ضعف سے رکتا ہے دم، جی مرا گھبراتا ہے
لے خبردار زرینہ، مجھے غش آتا ہے

زرینہ : ارے ارے گلرو پیارے گلرو! کیا سچ مچ غش آ گیا؟ جی گھبرا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھوک کی ناتوانی سے سر چکرا گیا۔ اے خدا! کہاں جاؤں اور کہاں سے اس کے واسطے کھانا لاؤں :

یہ فاقوں کے صدمے سے مر جائے گا
یونہی جی سے اک دن گزر جائے گا

گانا

کیا برا ہے نصیبا میرا، تیری سیوا میں کیا کروں۔ بھیک

ملے تو ہو سکھ ، جیرا ہے ایسا دکھ نے گھیرا ، کیا
کروں ، اب پتا نے حکم لیا ہے پھیرا ، ملے نہ جو مالکو
بہتیرا ، کیا کروں کیا کروں کیا کروں ، کیسے دکھ بھروں ۔
جاں سے مروں ، میں کیسے دیکھوں رونا تیرا ... کیا برا

[جاتا]

دوسرا منظر

جنگل

[رستم ، چند آدمیوں کے ہمراہ ، تاجرانہ لباس میں آتا ہے]

دھونکل : خدا کا کرم ہوا کہ وزیر مشیر کی تدبیر سے ہمارا کام ہوا ، اور ہم کو ملک چین میں تجارت کے واسطے پھرنے کا اذن عام ہوا ۔ اس لیے اے بھائیو :

ہو لڑائی کا دھیان دل سے دور
کرو بیوپاریوں میں اپنا ظہور
اور بدل ڈالو اپنا نام ضرور
تاکہ عیّاری میں کچھ ہو نہ فتور

اذبک : یہ تدبیر دھونکل بہت خوب ہے
ہے دل کو مرغوب ، خوش اسلوب ہے
مگر نام کیا تم کو مرغوب ہے

دھونکل : میں نے اپنا نام فاخر سوچا ہے ، میں فاخر اور تو تاجر۔

اذبک : (ہنس کر) ہہ ہہ ہہ ارے واہ رے فاخر ۔ اگر فاخر کو اُلٹا کرو ، خرفا ہو گیا ، اور خرفا ایک گھاس ہے ،

اور فاخر سے فا نکال دو توخر ہی رہ گیا - یعنی خر ، اور
گھاس واس ہے میرے پاس ، اب نہ خوف نہ ہراس ،
اپنا داس اپنے پاس -

دھونکل : یہ مسخرا اپنی عادت نہ بدل سکے گا ، اس کام میں
ہمارے ساتھ نہ چل سکے گا -

اذبک : میں نہ چل سکوں گا ؟ کودوں گا ، تیرا سر پھوڑوں گا ،
پر تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا -

رستم : ارے ارے خاموش ، خاموش ، یہ کون آتا ہے ؟

[سب اپنا اپنا حساب دیکھتے ہیں]

زرینہ : (آ کر) کیوں صاحب میں نے سنا ہے :
اک ختن سے آیا ہے ذی شان سوداگر
گر واقف ہو تم آن سے تو یہ ظاہر کرو مجھ پر

دھونکل : آئے جو ختن سے ہیں وہ سردار یہی ہیں
اس قافلے کے قافلہ سالار یہی ہیں

زرینہ : اے خوش نصیب حوش رکھے خدا تجھے
ہو نفع کاروبار میں تیرے سوا تجھے
دل کی مراد پائے تمنّا حصول ہو
دیتی ہوں صدق دل سے میں اس دم دعا تجھے

رستم : کیوں اے لڑکی کیا درکار ہے ؟ تو کس بات کی
طلب گار ہے ؟ دعا دینے کا کیا سبب ہے ؟ کیا کوئی

مطلب ہے ؟

زرینہ : نہیں نہیں میں کچھ نہیں چاہتی ۔

[گانا زرینہ و رستم کا مل کر]

چل گیا غم کا وار رے مو پہ چل گیا ۔ آس سیاں کی میں
بھٹکت ، چل گیا بھولے بھولے غم کے بھالے کھائے ،
کس جا پیا ہووے گا ۔

دوہرا : ہجر مان ہیں آپ ، تو کر جنس رکھو سب کو ؛ سوداگری
آپس کرو ، دھن دگنا ہو ، حل گیا . . .

رستم : مایا ہووے پاس تو لینا کچھ بھی نام
ورنہ آپ کا تو نہ ہوگا یہاں پر کام ۔

زرینہ : مجھ پر ترس دکھاؤ ، غصہ نہ دکھاؤ ۔ میں بخت کی ستائی
ہوں ، ایک بڑی مشکل میں آئی ہوں اور آپ کی مدد
چاہتی ہوں ۔

رستم : مدد چاہتی ہے تو بادشاہ کے پاس جا ، میرا سر نہ پھرا ۔
تیرا بادشاہ ہے یا نہیں ؟ کیا باولی عورت ہے ۔ یہاں سے
جا ، ورنہ کوئی اور بندوبست کیا جائے ۔

زرینہ : کبھی وہ دن تھا کہ دنیا کو میری چاہ تھی ۔ سب کے دل
میں میری راہ تھی ۔ لوگ آنکھوں پر جگہ دیتے تھے ،
پلکوں پر بٹھاتے تھے ۔ اب ذلیل و خوار ہوں ، لاکھوں
آفتوں میں گرفتار ہوں ۔ دربدر بھٹکتی ہوں ، آب و دانہ

کو ترستی ہوں ۔ مگر اے نیک مرد ! میں تجھ سے اتنا پوچھتی ہوں کہ تو ختن کے سلطان اور پہلوانوں کو جانتا ہے اور نوذر کو پہچانتا ہے ؟

رستم : دیوانی ہے لڑکی تجھے سودا تو نہیں ہے
دل میں ترے پٹے کی تمنّا تو نہیں ہے

تو آپ سے جاتی ہے یا تیرے نکالنے کی کوئی دوسری تدبیر کی جاوے ؟

زرینہ : سمجھتی تھی جس کے سب ہیں لوگ با وفا
گَرو نہیں ہے تجھ سا زمانے میں دوسرا

رستم : (خود سے)[۱] یہ عورت کون ہے گَرو کو یاد کرتی ہے ۔ (زرینہ سے)[۱] اے باولی کس گَرو کا ذکر کرتی ہے ؟ کس کی یاد ہے ؟ کس کی فکر ہے ؟

زرینہ : گَرو جو ختن میں ہے نرالا پہلوان
نوذر کے خاندان میں ہے بالا پہلوان
شاہ ختن کی بزم میں اعلیٰ ہے پہلوان

رستم : (خود سے)[۱] ہاں حاصل ہوئی مراد دل کی ۔ (زرینہ سے)[۱] لڑکی ، خدا کے واسطے اب تو یہاں سے جا ، بے فائدہ باتیں نہ بنا ، چھوڑ ، نہ میرا سر پھرا ۔

زرینہ : میں جاتی ہوں ، مگر او بے قدرو ! تمھارا پہلوان ، تمھارے

۱۔ اضافہ مرتّب ۔ (وقار)

ملک کی جان ، دشمن کے زندان میں پریشان ہے ۔ ہائے ہائے وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے ، بے جان ہے :

اس کے باپ کو کچھ اس کی خبر ہے کہ نہیں
وہاں اس کے چھڑانے پہ نظر ہے کہ نہیں

وہ غمخوار کنوئیں میں گرفتار ہے ، اس کے دکھ سے میری نیند بھوک فرار ہے ۔

رستم : نہ واقف شاہ سے ہوں میں ، نہ کچھ واں کے جوانوں سے
میں سوداگر ، مجھے کیا کام ہوگا پہلوانوں سے

زرینہ : افسوس ! اے خدا کوئی فریاد رس نہیں آتا ، کسی کو میرے حال پر ترس نہیں آتا ۔

رستم : اے دردمند ، بے آس :

یہ ملک ، یہ وطن ، ترا دشمن ہے کس لیے ؟
تجھ پر زمانہ تنگ ہے ، بدظن ہے ، کس لیے ؟
ہے کون ؟ کرتی نالہٗ و شیون ہے کس لیے ؟
اور چاک چاک یوں ترا دامن ہے کس لیے ؟

زرینہ : میرا حال قابلِ غور ہے ، ہائے مجھ پر سخت ظلم و جور ہے ۔ اے نیک نام ! میں ناکام زرینہ شاہ چین کی دختر ہوں :

میں وہ ہوں ، جس کو دیکھ نہ سکتا تھا آفتاب
میں وہ ہوں جس سے روشنی پاتا تھا ماہتاب[1]

۱۔ شاہ نامے میں فردوسی نے منیزہ کی زبان سے یہ شعر کہلوایا ہے :
منیزہ منم دختِ افراسیاب　　برہنہ نہ دیدہ تنم آفتاب
(وقار)

اب دل فگار ، ناچار خوار ہو کر در بدر بھٹکتی ہوں ،
بھیک مانگتی ہوں ، سوکھی روٹی کو پھڑکتی ہوں -

رستم : پھر تو اتنا رنج کیوں اٹھاتی ہے ؟

زرینہ : محبت کی خاطر ، الفت کی خاطر - ہائے جس جاہ سے میں نے چاہا ، مگر ظالم باپ نے اسے چاہِ غم میں پھنسایا ، میری چاہ کا مزا چکھایا - اس پر ایک پہاڑ ڈھانک رکھا ہے ، وہ اس میں الٹا لٹک رہا ہے ، خورشید قمر کی روشنی کو بھی دیکھنے کو بھٹک رہا ہے -

رستم : افسوس ہے ! اے نیک نام زرینہ ! تو یہاں آرام کر -

زرینہ : یہ آرام کا وقت نہیں - جب تک اسے آرام نہیں ، مجھے آرام سے کام نہیں -

رستم : اس جوان کی بھوک پیاس پر ترس آتا ہے - بھلا اے زرینہ ! اس نے اس کو کھانا کس طرح کھلا سکتی ہے ؟ جب اس پر اتنا بھاری پتھر ہے تو کھانے کا گزر دشوار ہر ہے -

زرینہ : اس پتھر میں روزن ہے ، اس روزن سے میری آنکھ روشن ہے - بات چیت بھی کر سکتی ہوں ، بلکہ کھانا بھی کھلا سکتی ہوں -

رستم : تب اے فاحرا جلدی جاؤ اور عمدہ سا کھانا لاؤ اور اس بھوکے جوان کو پہنچاؤ -

دھولکل : اے نیک بخت زرینہ ! میں کل ختن جاؤں گا ، تیری اور
آس کی مصیبت کی خبر سناؤں گا ۔

گانا

رکھ تو خدا پر سدا آسرا ، نہیں اس میں شک ذرا ، خدا
ہے بڑا ، ہو تیرا بھلا ، بھلا ہو بھلا ۔ ہیں دونوں جہان
عاجز ، خورسید و قمر عاجز ، اللہ ہو قادر من کل عاجز
فضل خدا سے ہوگا بھلا ۔ رکھ تو . . .

زرینہ : اے سوداگر خدا تجھے بھرپور رکھے ۔ غم و الم سے تجھ
کو محفوظ رکھے ، جو تو نے مجھ پر رحم کھایا اور اس
مظلوم کے واسطے کھانا دینے کو فرمایا ۔

گانا

تو یہ باری کی نظر ، ہر دم جیا نسدن رہنا ۔ تو یہ غم سے
رہائی کبھو نہ ہوگی ۔ شاد رہے مورا من کہا تو یہ ۔

[دھولکل کا کھانا لے کر آنا]

رستم : اے نیک بانو ! یہ کھانا تیار ہے ۔

[زرینہ کے ہمراہ ایک تاجر کا کھانا لے کر جانا ،
رستم کا واسطے پہچان کے انگوٹھی رکھ دینا]

اذبک : (خوشی سے) شاباش اے نامدار ! تیرا بیڑا پار ، خدا
مددگار !

رستم : شکر ہے خدا کا ہماری محنت کام آئی ۔ گلرو کی خبر گھر

بیٹھے پائی - اب کیا رہا ؟ وہاں پہنچے ، گلرو رہا ہوا - دھونکل ، آذنک چلو -

مسدس

ہیں جتنے ساربان وہ سب پہلوان ہیں
پہنے لباس جنگ کا ، جنگی جوان ہیں
بزدل بھی ہوں تو آج وہ سلِ دمان ہیں
بادل سا گرجیں ، برق سا حمکیں ، جہان ہیں
اب وقت آ گیا ہے دلوں کے بخار کا
تیار ہوں ، ہے شوق جنھیں کار زار کا

تیسرا منظر

وہی کنؤاں

[تاجر زرینہ کو کھانا دے کر چلا جاتا ہے]

زرینہ : اے پاک یزداں ، تیری شان کے قربان ، میری جان ، تیرا ہزار ہزار احسان ، آج کئی دنوں کے بعد میں نے ایسا کھانا کھایا ، جس کو دیکھ کر اپنا پہلا وقت یاد آیا ۔ گارو ، گارو !

گارو : زرینہ ، زرینہ ! پیاری زرینہ تو کہاں تھی ؟ میں پکارتے پکارتے تھک گیا :

بھوک کے صدمے سے لب پر جان ہے
دم بھی کوئی آن کا مہمان ہے

زرینہ : پیارے تیری جان کی امان ، تیرا اللہ نگہبان :

تھا نہ بے کار تیرے پاس سے جانا پیارے
فرض تھا مجھ پہ تری جان بچانا پیارے
مانگ کر لائی ترے واسطے کھانا پیارے

گانا

آن لڑی نرگن دکھیارے ، ہے ساجن قید اکیلے ، دو
جان کو امان حان تڑپتی میرے پیارے ، پھر بالم کو
بن مس کیسے دکھلائیں ، سائیں مورا ملت نائیں ،
کتھا موری دکھ بھری ہے گی - سر پھری باؤلی سدا
میں رہی ، ہائے سجن میرے حیران تو ہوگا -

گلرو : آفرین میری مہربان زرینہ - آج ایسا اچھا کھانا کہاں سے پایا ؟ مدت کے بعد ایسا کھانا کھایا -

زرینہ : پیارے ختن کے سوداگروں کا ایک قافلہ ٹھیرا تھا :

سردار ایک اس میں بہت ہوشیار تھا
اس وقت اس کے پاس یہ کھانا تیار تھا
بخشا مجھے جو میرا سما حال زار تھا

گلرو : آفرین آفرین آہا ! آہا ! (خوب ہنستا ہے) اے خدا داد کر - (ہنستا ہے) آ ، زرینہ ، زرینہ میں ہنستا ہوں - تم بھی خوش ہو -

زرینہ : (خود سے) گلرو آج کیوں ہنستا ہے ؟ کیا باولا بن گیا ہے - اس سوداگر نے کھانے میں کچھ ملا تو نہیں دیا - ہیں یہ کیسی شادی ؟

گلرو : زرینہ کیا پوچھتی ہے (ہنستا ہے) اگر میں قید میں نہ ہوتا تو آ ہاہاہاہا -

زرینہ : او نیک نصیب گلرو! یہ آج کیا ڈھنگ ہے۔ کیسی خوشی کی ترنگ ہے ؟ :

اس دکھ میں ، اس الم میں ، جو یہ ارمان خوشی کا
کیا خواب میں دیکھا کوئی سامان خوشی کا ؟

گلرو : پیاری زرینہ اب کیا پوچھتی ہے (ہنستا ہے) :

بار دار ہوا نصیب میرا
ہوشیار ہوا نصیب میرا
غفلت کی چڑھی تھی نیند اس کو
پر اب بیدار ہوا نصیب میرا

زرینہ : کیوں کر اور کیسے نصیب بار دار ہوا ، کیا کنوئیں کے اندر ہی بیدار ہوا ؟ باہر تو کچھ نہیں اظہار ہوا ۔ .

گلرو : یہ بات بتانے کی نہیں ، کسی کو جتانے کی نہیں ۔

زرینہ : تو مجھے بھی نہ بتائے گا ، مجھ سے بھی چھپائے گا ۔

گلرو : عورت کی ذات پُر فتور ہے ۔ بےشعور ہے ، عقل اس سے دور ہے ۔

زرینہ : افسوس ! افسوس ! میں کیسی بدنصیب ہوں ۔ جس پر میری جان قربان ہے وہ اب تک مجھ سے بدگمان ہے ۔

گلرو : خیر پیاری زرینہ سن ! ادھر کان لگا ۔ جہاں سے تجھے یہ کھانا ملا ہے ۔

پیاری وہ تاجروں کا کوئی قافلہ نہیں
ہے تاجروں کا ڈھنگ ، یہ تاجر ذرا نہیں

سردار وہ کہ کھانا ہے جس نے تجھے دیا
رستم ہے نامدار ، کوئی دوسرا نہیں

میرے رہا کرانے کو آیا ہے ، جو سوداگروں کا بھیس بنایا ہے ۔

زرینہ : اے میرے خدا ، یہ گرو تو دیوانہ ہو گیا ۔ اس کا دماغ چکرا گیا ۔

گرو : کیا زرینہ تو یہ بات جھوٹ جانتی ہے :

یہ کھانا جو اس نامور نے دیا ہے
اشارہ یہ آنے کا اس نے دیا ہے
ہے مرغ کی ران میں اک انگوٹھی
کہ پہچان خوب اس کو میں نے لیا ہے
ملی مجھ کو رستم کی ہے وہ نشانی
وہ یاں آن پہنچا ، یہ مژدہ دیا ہے

زرینہ : الٰہی تیرا شکر ۔ میں بے آس تھی ، گرو کی رہائی مجھے یاس تھی ۔

گانا

آس وا کی اب ہم پائی ۔ باری کا کرم بھاری ، ہم بچائیے نیو ۔ آسیوا کی ذات ، صمد سدا جپنے میں آئی ۔ دور بھئی جیا بچائیے نیو ۔ آس وا کی . . .

گرو : پیاری زرینہ تو جلد اس کے پاس جا اور جیسے ہو سکے اس کو یہاں بلا لا ۔

زرینہ : میں ابھی جاتی ہوں ۔ انھیں سمجھاتی ہوں ۔ لاتی ہوں ۔ ہاتھ جوڑوں ، پاؤں پڑوں ، سر جھکاؤں ، جس طرح بن پڑے لاؤں ۔ جلدی جاؤں ، جاؤں ۔

[زرینہ جانا چاہتی ہے ۔ فوراً رستم وغیرہ آ جاتے ہیں]

رستم : آنے جانے کی کیا ضرورت ہے ؟ ہم تیرے جانے سے پہلے آ گئے ۔ اب تیرا اور اس کا چھٹکارا ہوا ۔ مطلب ہمارا ہوا ۔

دھونکل : کیا یہ وہی کنواں ہے ، جس میں گلرو پہلوان ہے ۔

اذبک : پوچھتے کیا ہو ، کیا یہاں کوئی اور کنواں بھی ہے ۔ ایسی پوچھا پوچھی ہے تو پھر ہم بھی پوچھتے ہیں ۔ کیا یہ وہی دھونکل پہلوان ہے ۔ یہ رستم پہلوان ہے ۔ پہاڑ اکھاڑ کر کنواں توڑ پھوڑ کر ، گلرو کو باہر نکالو ۔ اگر یوں نہ نکل سکے تو دھونکل کو کنویں میں ڈالو ۔ یہ گر کر اسے باہر اچھال دے گا ۔

رستم : ٹھیک ! ٹھیک !

رستم : اب کام میں مصروف ہو تم آ کے سب کے سب ۔

پہلا : تم سامنے سے آ کر زور لگاؤ ۔

دوسرا : اس سنگ پہ اک ساتھ کرو ، زور آزماؤ ۔

تیسرا : پکڑو اسے مضبوط ، قدم خوب جماؤ ۔

اذبک : پکڑو ار ، ہاں ، ہاں ، تم اُدھر سے چھوڑ دو ۔ اس کونے پہ آؤ ۔

دھونکل : (زور کرتے ہوئے ہانپ جانا) ذرا ٹھیر جاؤ ۔

پہلا : دھونکل تو ہانپ گئے ۔

دوسرا : ہانپ گئے ، یا کانپ گئے ۔

تیسرا : یہ موٹی توند بس دکھانے کی ہے ۔

اذبک : دکھانے کی ہے ، یا من بھر کھانے کی ہے ۔

دھونکل : بھائی ! ہم سے یہ سل نہ اُٹھائی جائے گی ۔

اذبک : ابھی سے چچا گھبرا گئے ۔ اب کنوئیں کی بلا سر پر آئے گی ۔

رستم : بس ! بس ! تم سب ہٹ جاؤ ۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں ۔

مسدس

اے خداوند ! قادر برتر
اے توانا و خالق اکبر
زیر دستوں کو تو بنائے زبر
تیرے ہی ہاتھ میں ہے فتح و ظفر
رکھ میری لاج مجھ کو عزت دے
آج میری وہ اصلی طاقت دے

[رستم پتھر اُٹھا کر پھینکتا ہے ۔ سب لوگ کنوئیں میں جھانکتے ہیں]

و : ارے یہ کیا طلسمات ہے ؟ دن ہے کہ رات ہے - میری آنکھوں میں حکا چوند ہوتی جاتی ہے - ہائیں یہ روشنی کیسی ؟ زرینہ یہ ہے غل کیسا ؟ رستم ! رستم ! آہا ، دلاور رستم !

م : گلرو اس برگشتہ زمانے نے کیوں تجھ کو ناشاد کیا ؟ اگر دنیا میں آلفت ہی کرنا تھا تو یہ محبت کا ساغر کسی اور جا بھرنا تھا -

و : ہے تو نے بچایا مجھے ستم سے ، الم سے
باہر نکال جلدی سے ، اب اپنے کرم سے

م : نہیں گلرو ، پہلے مجھ سے اقرار میرا قبول ہو ، تب تیرا مطلب حصول ہو -

و : اے نامور نانا ، میں حاضر ہوں جی اور جان سے ، ارشاد فرمائیے ، باہر ہوں کب فرمان سے -

م : کہا تو قسم نوجوان ، دھونکل وہ ہے پہلوان ، جس کے سبب سے میری جان ، جھیلیں ہیں تو نے سختیاں - اب بخش دے اس کی خطا ، وہ بات دل سے بھول جا - اپنی سزا وہ پا چکا ، باز آ تو اس کے دھیان سے -

و : اے بزرگ مہربان ، تو نہیں جانتا کہ اس موذی نے میرے ساتھ کیا کیا :

دھونکل اب مجھ سے بھلا جان بچائے گا
سامنے آ کے سلامت بھی چلا جائے گا

رستم : جو دشمن کیے پہ پشیان ہے
تو لازم پھر اس پر بھی احسان ہے
دلیروں کی بنتا یہی آن ہے
کہ دشمن نہ احسان کا بان ہے

گلرو : اچھا منظور ہے۔

رستم : شاباش ! پہلوان ، تیری ہمت پر آفرین۔ اس تیری درگزر، مروت پہ آفرین۔ بس اس کمند کو اپنی کمر سے مضبوط باندھ۔ (گلرو کمند کو پکڑ کر باہر نکلتا ہے) افسوس ! یہ تیرا کیا حال ہو گیا۔

زرینہ : ارے ارے رے کیا رستم اے نامدار ، میرے گلرو کے بچانے والے اس قید سے چھڑانے والے ، یہ ہاتھ مجھے آنکھوں سے لگانے دے۔

گلرو : اے پہلوان نانا تو پہلوانوں کے دل کی ہمت ہے ، نوجوانوں کے بدن کی طاقت ہے۔ میری رہائی ایک تعجب کی حالت ہے۔

رستم : گلرو تیرا اس تکلیف میں زندہ رہنا بھی تعجب سے خالی نہیں۔ دیو کی جان بھی یہ دکھ سہنے والی نہیں۔

گلرو : پیاری زرینہ تو نے میری خاطر بڑے دکھ اٹھائے ، بہت صدمے پائے۔

[تینوں کا مل کر کہنا]

جانی روپ تیرا نت نت بڑھنا ، تیرا دھرنا۔ میرا وہ پھرنا۔

غم جانی پیارے ہماری آنکھوں سے ہوتا ہے آہ بھرنا
لانا ۔ قسمت نے پھرنا نثار ۔ سرور تیری دھوم ، سب
غم کٹ گئے ، بکٹ گن جینا بن پران جانی روپ . . .

رستم : گلرو تم نے اور تمھاری پاسبان زرینہ نے بہت تکلیف پائی ہے ، حد درجہ ایذا اٹھائی ہے ۔ اب تم آرام کرو ۔ خیمہ میں جاؤ ۔ ہمارے ساتھ مت آؤ ۔ مں ابھی جاؤں گا ۔ ناپاک ضحاک کو اس قید کا مزہ چکھاؤں گا ۔

گلرو : نہیں اس کام میں سب سے پہلے میں جاؤں گا ۔ اور کسی کی ضرورت نہیں ۔ میں اکیلا ہی سب کا سر اڑاؤں گا :

قیـد کی سختی سے ہوا گو ناتوان ہوں
فاقوں سے بھی کنوئیں میں بنا نیم جان ہوں

رستم : ہاں حسن کے دلبروں کی یہ ریت نہیں کہ قیدی کو چھپا کر چھڑا لے جائیں ، وہاں جا کر لڑائی کی خبر اظہار کریں ۔ یہ تلواریں پیاسی ہیں ، ان کو سیراب کریں ۔

سب : **گانا**

دل میں ہیں عشرت کے سامان ، اپنے دل میں ہیں عشرت
کے سامان ۔ بھرے ہم سارے باہم جو ہیں ہمدم ، اے
مالک اس و جاں ظالموں کو سزا فعل کی اب مل
جائے ، اور بچھڑوں سے اے خدا غمخواری ہو جائے ،
اب ساری اے ناری ، یہی ہے دعا ، دل میں ۔

[جانا]

چوتھا منظر

محل ضحاک

ملکہ : حیف زمانہ کیسے کیسے رنگ اپنے بدلتا ہے ۔ غضب ہے کہ بیٹی کے نام سے کیسا جلتا ہے ۔ زرینہ کی جدائی سے میرا دم نکلتا ہے ۔ مگر ضحاک تو اس کے ستانے پر سنبھلتا ہے ۔ بڑی مشکل پڑی ہے ۔ جس قدر سمجھاتی ہوں اس سے زیادہ اسے غضبناک پاتی ہوں ۔

مشیر : (داخل ہو کر) صبر کر رانی غم نہ کر ، اس قدراللہ پر رکھ تو نظر ، رحم پر سلطان کبھی تو آوے گا ، ظلم سے اپنے کبھی تو شرماوے گا ۔

امیر لوگ اکثر کانوں کے کچے ہوتے ہیں ۔ بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر دنیا کے معاملات میں بچے ہوتے ہیں ۔ خوشامدیوں کی باتوں سے خوس ہوتے ہیں ۔ ان پر عمل کرتے ہیں ۔ آخر میں بُرائی پاتے ہیں ۔ شاہ کو بختک خوشامدی کی باتوں کا خیال ہے ۔ آج تک اس کا نتیجہ برا پایا ، مگر اب تو کچھ اثر ہوا ۔ ان کو پھالسی کی سزا سے بچایا ہے ۔ رفتہ رفتہ سمجھ جائیں گے ۔ اب جو

کچھ غم گزرتا ہے اس پر صبر کرو ۔ خدا چاہے تو مَیں زرینہ کو محل میں لاؤں گا اور اس قیدی کو بھی چھڑاؤں گا ۔

لکہ : اللہ دو جہان میں تیرا بھلا کرے ۔

شیر : امید تیرے دل کی بھی پوری خدا کرے ۔

لکہ : تجویز تیری سے مِرے دل کو ہوا قرار ۔

گانا

مَیں سدا غم سے ملول رہی ، دکھ بھری رہی ۔ اس کے غم میں ہوں ، جدائی میں دکھ بھرنا مرنا ۔ جان پہ بجی کے بنی بپتا سہی ۔ دکھیا نئی ، قسمت لکھی گئی یوں میری ، گیا نہیں یہ کڑھنا میرا جائے گا ۔ کبھی میں تو ۔

[بختک کا آنا]

لکہ : کون ؟ بختک ؟

تک : ہاں مہربان رانی :

غم ہے بہت مجھے بھی زرینہ کے حال سے
آزردہ دل ہوں میں بھی تمھارے ملال سے
غصہ میں بیخودی ہے زرینہ کی چال سے
ضحاک کو بھی دی ہے خبر اس خیال سے
آنا ختن کے لوگوں کا اچھا نہیں یہاں
سنتے ہی مار ڈالیں گے کُلرو کو بے گماں

مگر انھوں نے نو اس کو قید کیا ۔ مفت میں بات کو طول دیا ۔ سٹی کو گھر سے نکال ، تمھیں دل ملول کیا ۔

ملکہ : اگر تم کو زرینہ کی اُلفت تھی تو اس طرح کیوں بدنام کرنا تھا ۔ مخفی یہ کام کرنا تھا ۔

بجتک : کیا کروں جو زرینہ کے دل سے اس کی یاد بھلاؤں اور شاہ سے سفارش کر کے محل میں لاؤں ۔

ملکہ : پھل برائی کا زمانہ میں بُرا ہوتا ہے
اور انجام بھلائی کا بھلا ہوتا ہے

بجتک : کسی تدبیر سے گرو قتل کیا جائے تو پھر زرینہ راہ پر آئے ۔ کچھ روز غم کرے گی ۔ پھر جان پر پتھر دھرے گی اور آخر صبر کرے گی :

ساتھ مردے کے کوئی مرتا ہے
آخرش رو کے صبر کرتا ہے

اب میں جاتا ہوں ۔ اس کے قتل کرنے کی تدبیر کرتا ہوں اور زرینہ کی شاہ سے سفارش کرتا ہوں ۔

گانا

ملکہ : کیسی بتا رنج و محن کی ، تن من سب بے چین بھیو ہے ۔ لپٹیں بھڑکیں جیسے آگن کی ۔ بیٹی ماں سے روس گئی ہے ، تجھ بن ناتھ جان یہ حسین رہے — کیسی بپتا . . .

نثر : اجل بھی نیک لوگوں کے سر پر سے گزرتی ہے ۔

مفسدوں سے تو دوزخ بھی خوف کرتی ہے ۔ درست ہے کہ بدوں سے قضا بھی ڈرتی ہے ۔

زمانے کی نہیں لیتی کوئی بلا اُن کو
وہ ایسے بد ہیں ، نہیں پوچھتا خدا اُن کو

گانا

عیسٰی سے علاجِ دل شیدا نہیں ہوتا
بیمار محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا
ہے غم سے زرینہ کی لگی آگ جگر میں
اس شعلے سے سینہ کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا
کشتیٔ حیات آ کے تلاطم میں پڑی ہے
اٹکا ہوا بیڑا لب دریا نہیں ہوتا
بیٹی تری فرقت میں قضا تک نہیں آئی
مرنے کا کبھی مجھ سے تقاضا نہیں ہوتا
سمجھائے کوئی شاہ کو دختر کی طرف سے
نادانی میں اولاد سے کیا کیا نہیں ہوتا
پی جاتی ہوں میں اشک کبھی دل جو بھر آیا
جی کھول کے بھی خوف سے رونا نہیں ہوتا

ضحاک : (گھبرائے ہوئے آنا) خاموش ! خاموش ! میری تو عقل فراموش ہو گئی ہے ، تم کو بھی کچھ ہوش ہے ۔

ملکہ : قربان جان ، اے سلطان ! یہ کیسا ہے پریشان بیان ؟ اس وقت کیا کیا گمان ہے ۔ نصیب دشمناں کیا کوئی خفقان ہے ؟

ضحاک : افسوس ! اُس بدکار گنہگار کی صورت پر پھٹکار ، اُس بیٹی پر خدا کی مار ۔ اس کی بدولت کیا کیا غم اُٹھاتا ہوں ۔
تم کو خبر نہیں ہے نئی افتاد کی ۔ آگ یہ لگائی اس بد نہاد کی ۔ مرتی بھی نہیں وہ جڑ فساد کی ، آتی نہیں ہے موت بھی نامراد کی ۔

ملکہ : اے تاجدار کیا اسرار ہے ، جو گفتگو پیچدار ہے ۔ مری جان زار سن کر ہوئی بے قرار ہے ۔

ضحاک : ہائے اس ناشاد ، بے عزتی کی بنیاد ۔ بد نہاد زرینہ نامراد نے مجھے دین و دنیا میں ڈبویا ۔ عزت ڈوبی ، شان ڈوبی ۔ اب مجھ کو سلطنت سے بھی کھویا ۔

ملکہ : کیوں ، کیوں ، خیر ہے ؟

ضحاک : خیر نہیں ، اب جدائی دہر ہے :

چھڑایا آن کر ہرو کو اس کے سب یگانوں نے
پریشاں ہے کیا مجھ کو ختن کے پہلوانوں نے

ملکہ : کیا وہ کارو کو لے گئے ۔ یہ تو اور بھی سرمندگی دے گئے ۔

ضحاک : شرمندگی کیا ، اب زندگی کے لالے ہیں ۔ رستم پہلوان اور اس کے ساتھی بھی ساتھ ہیں ۔

ملکہ : غضب ہوگا جو وہ یہاں آئیں گے
مقرر وہ برا رنگ دکھلائیں گے
یہاں خون کا دریا بہائیں گے

ضحاک : خون کا دریا بہائیں گے - خدا جانے کیا آفت ڈھائیں گے - بڑی مشکل ہے ، ساری فوج بے دل ہے ، ابھی میں نے سنا ہے کہ رستم قلعہ تک آ پہنچا - اب کچھ نہیں بن آتا - بجز بھاگے رہا نہیں جاتا :

اس وقت دل پہ خوف ہے ، وحشت زیادہ ہے
دیوارِ صبر پایۂ ہمت فتادہ ہے
کیا کیجیے کہ وہ بھی بکف سر ستادہ ہے
اس واسطے میرا تو یہی اب ارادہ ہے
چھپ کر یہاں سے بھاگوں میں صحرا کی راہ لوں
اپنی بچاؤں جان ، کسی جا پناہ لوں

[جانا]

تیسرا باب

پانچواں منظر

دربار

[جہاندار ساہ کا دربار آراستہ ہے - نوذر گلرو کا غم و الم کرتا ہے]

نوذر : ہائے اے گلرو ! کیسی بری گھڑی گھر سے سدھارا تھا - کیا دشتِ عنبر کی فریاد میری تیری جدائی کا اشارہ تھا :

افسوس تیرا رخ آٹھایا نہیں جاتا
غم کھاتا ہوں مجبوری سے ، کھایا نہیں جاتا
آئے وہ کسی طرح سے تو مجھ کو کل آئے
اور وہ نہیں آتا تو خدایا اجل آئے

شاہ : اے دلاور نوذر ! اس طرح تمھیں دل کو کڑھانا نہیں اچھا - غم سے بسمل کو گھلانا نہیں احھا - صبر کر کہ رو رو کے رلانا نہیں اچھا -

نوذر : قابو میں اپنے دل کو نہ پاؤں تو کیا کروں
اے تاجدار جاں سے نہ جاؤں تو کیا کروں

شاہ[1]

نوذر : اے قادر ذوالجلال ، سارا سال اس شاہ خوش خصال کا آفتاب اقبال بر فلک جاہ و جلال بصد شان و جلال جلوہ گر ہو ، جو تو مجھ مجروح کے دل پر تسکین کا مرہم رکھتا ہے ، سوکھے ہوئے دل کی سرسبزی پر پانی چھڑکتا ہے ۔

چوبدار : (آ کر) الٰہی حب تلک دورِ فلک ہے ، اس زمانہ میں فلک پر مہر و ماہ جب تک ہے ۔ گلشن میں جب تک ہوائے گل ہے ، بلبل سے جہاں تک آشیانے میں غل ہے ، شاہا رہے جب تک شادمانی میں ۔ مبارک ہو کہ رستم اور ہرو دونوں آئے ہیں ۔ سرِ دربار عزت سے کئی سردار لائے ہیں ۔

شاہ : اے وزیر ابھی چوبدار کو بے شمار سیم و زر دے کر ،

۱۔ متن میں اس جگہ شاہ کا گایا ہوا گانا درج ہے ۔ نقل کی ستم ظریفیوں نے اُسے قطعاً مہمل بنا دیا ہے ۔ کوشش کے باوجود میں اُسے درست کرنے میں کامیاب نہ ہوا ۔ اس لیے اُسے متن سے الگ کر کے بوہو حاشیے میں نقل کر دیا ہے :

شاہ : گانا

رکھو بھی ذری شمتا بھی سنو نیا ۔ سکھ راکھو دکھی تیرا بھی ذری دسمی اب بھئی نت گرمی ست کھاڑو ۔ دشمن رد کرنا ۔ رہرنی سدا برس رہے کرے چیں وہ کل جگت من دکھ بھوحن سبھی گت بی کبھی نہ ہو ۔ جیو تھی پر ستو نہ سر دھتا رکھو ۔

مالا مال کر، اُس کا منہ موتیوں سے بھر - ارے جاؤ
گلرو کو دربار میں لاؤ - مجھے اُس کی صورت دکھاؤ اور
اُس کے پیارے باپ سے ملاؤ -

نوذر : اے شاہ! میں بے قرار ہوں - خود جانے کو تیار ہوں - اجازت کا طلب گار ہوں -

شاہ : مت بے قرار ہو، جاؤ تم خود مختار ہو -

[رستم گلرو زرینہ وغیرہ آتے ہیں]

گلرو : ہزار شکر کہ پھر یہ قدم نصیب ہوئے -

نوذر : کرم خدا نے کیا ہم سے تم قریب ہوئے -

شاہ : شکر ہے اے پہلوان، چھوٹے بڑے جنجال سے -

گلرو : آپ کے لطف و کرم سے، آپ کے اقبال سے -

نوذر : خدا نے پھر تیری صورت دکھائی، تنِ بے جان میں جان آئی -

گلرو : اے مہربان پدر، بخت نارسا نے ایسا پھنسایا تھا کہ میں نے ملنے کا خیال دل سے بھلایا تھا - مگر بے شک ہمارے تاجدار جہاندار شاہ کی شفقت کا سایہ ہم کو یہاں تک لایا، جو تم سے ملایا -

گانا

تمھیں پائے شاہا سبھی کام بنے، تو ہے پائے کے ہم
پل چھن میں بنے، بن دیکھے درشن رہی اکھیاں ترس،

ہم ہائے ہائے نت دکھ بھرے ۔ تھا جہان میں سنگ
نہ ساتھی ، ہار میں دن رات جان تھی گھبراتی ۔ لیتی
نام جب بس کچھ نہ چلتا رے ۔ آئے یہاں تو بسارے ۔
دھن دولت ہو ، عزت ثروت ہو ، سگرے تورے سکھ
کے دن ہوں ۔ دکھ تو ہے کوئی نہ ہو ۔ عزت ، شہرت
توری نگری نگری ، ہووے بڑی ۔

شاہ : آفرین ہے اس جہان کے پہلوانوں کو ، مرحبا رستم دلیر کو کہ اس نے سوئے چین تیری خاطر ہزار کوس منزل طے کی ۔

گلرو : شہنشاہ کے سایۂ اقبال نے مجھ کو اس مصیبت کے جال سے صحیح و سلامت رہا کرایا ، اس قید سے مجھے چھڑایا ، مجھ کو ممنون احسان بنایا ۔

شاہ : گانا

جی ہے میرا شاداں ۔ قیدی سے ، خواری سے ، بچا تو
ایسا ۔ نشان نہ تھا پانے کا ، تاج کا موتی کھویا ہوا
تھا ۔ دیکھا میں نے تھا حال اس کا ، وہ یہ ہے آزاری ،
بیچاری ، جو ساری غمخواری تمھاری کر ہاری ۔ میں
نے اس کو ہے جانا ، جام میں دیکھا ، پھر بھی بتلاؤ
مجھ کو ہے کس گلشن کا گل ہے گا ۔ جی ہے . . .

گلرو : بے شک حضور ، یہ وہی ہے حور ۔

زرینہ : اے تاج دار جو کچھ گلرو کا اظہار ہے ، وہی سزاوار ہے -

گانا

تن سے ، من سے ، دھن سے ، نین میں سگرے دکھ تھے
بھرے ، در بدر تھے بھٹکے ، بےگماں رکھ شاداں ، اے
سلطان ہو خنداں ، دل سفر کے ضرر سے بھر گیا -
یا دکھ سہا ، رنج اٹھایا ، سر پھرایا - بیچارے نے ، اس
میرے پیارے نے ، آفت کے مارے نے ، کیا کیا دکھ
ہیں پائے - شاہ تک زندہ آئے - حضرت رستم لائے ،
محنت سے ، جتن سے -

شاہ : مرحبا اے سردار ، خوش آمدی -

دھولکل : ہیں یہ خوشامدی ! کیا گلرو کو چھڑایا - چین کا خاکہ اڑایا - ایسا بڑا ہنر دکھایا - اس پر بھی خوشامدی ، سلطان نے خطاب فرمایا - ارے واہ رے میرے الٹے کے سننے والے - اوتم دھرتی مدام کایا ، تانت باجی راگ پایا[1] - ہم کو سب نے باتوں ہی میں اڑایا -

رستم : جب تک خدا یہ چشم سمندر پر آب ہو
روشن ہو ماہ ، مہر میں بھی آب و تاب ہو
سلطاں کے حق میں میری دعا مستجاب ہو
اقبال شہر یار سدا دستیاب ہو

۱- اصل کہاوت ہے ''تانت باجی راگ بوجھا'' - مرتّب

شاہ : کیوں رستم نامدار چین کے گلزار پُربہار سے کیا پھل پایا ؟ کیا گل مراد ہاتھ آیا ؟

رستم : شہنشاہ جب اس عزیز کو کنوئیں سے چھڑایا اور اس حور وش کو اس کی محبت میں باؤلا پایا تو میرا جی بھی بھر آیا ۔ یہ خیال جی میں سمایا کہ ناپاک ضحاک کو سزا دوں اور اُس کا بدلہ لوں :

پر کیا کروں وہ بچ گیا میری نگاہ سے
پہلے ہوا فرار وہ کھڑکی کی راہ سے

آخر اس کی بہت فوج کو تہ تیغ کیا اور اُس کا محل جلا کر خاک سیاہ کیا ۔

شاہ : شاباش ! اے دلیروں کے سردار شاباش ! آئیے ، بہادروں کے جاں نثار آئیے ۔

پہلا : جو ہمت ہو تو ایسی ہو ۔ شجاعت ہو تو ایسی ہو ۔

دوسرا : شجاعت ہو تو ایسی ہو ۔ جرأت ہو تو ایسی ہو ۔

تیسرا : کیا کچھ خیال نہ اپنی جان کا ، ہمت اس کو کہتے ہیں ۔

چوتھا : ہزاروں سے نہیں منہ پھیرا ، جرأت اس کو کہتے ہیں ۔

دھونکل : مَیں کسی کو نہیں سوجھتا ۔ میری بات کوئی نہیں پوچھتا ۔

اذبک : بے شک آپ نے تو ایسی توپ داغی ہے ۔ مور چھنا چھن ہے ۔ ارے واہ رے میرے سودائی ۔ سلونے حلوائی کی

بھی تعریف کیا سہائی - کہتے ہوئے شرم نہ آئی - ہاتھ
ہلے نہ پاؤں ، انعام مانگے دس گاؤں -

دھونکل : ہوں ! پھر وہی حرکت -

اذبک : حرکت کی گت تو آگے ہوئی - ابھی ہوئی ہے پہلی
حرکت -

دھونکل : یہ کیا تکرار سر دربار ہے - اگر قابل اظہار ہے تو بیان
کرنے میں کیا عار ہے - حضور جب ہم چین آئے اور
ضحاک ناپاک کو نہ پایا تو اس کے سارے محل کو
لوٹ کر آگ لگائی اور اس کی فوج کے جوان جب
میرے مقابل آئے تو میں نے گرز ہلائے - وہ ہاتھ
حلائے کہ ہزاروں کے سر اڑائے - خاک و خون میں
ملائے - ایرے غیرے نتھو خیرے بہت سے چٹ پٹ
کرائے - بھلا میرے سامنے کون آئے - پھر جان کو
بچا کر سلامت چلا جائے -

اذبک : نہیں نہیں بڑی بہادری دکھلائی - بڑی بڑی دھول کھائی -
حضور جس وقت ہمارے دھونکل پہلوان دمڑی خاں ،
شاہ زور ، پاپڑ توڑ نے گرز ہلائے تو اس قدر مجھے
بھی یاد آیا کہ کئی اڑتی ہوئی مکھیوں کی ٹانگیں ٹوٹ
پڑی تھیں اور کئی بار تو گرز ہلاتے ہلاتے گر پڑے
تھے -

شاہ : اب دیر کیا ہے - عیش کی صحبت کا ڈھنگ ہو - بانگ
سرور قلقل مینا کا سنگ ہو -

سہیلیاں : **گانا**

ہم پر خوش حالی بڑی ہوئی ہے ۔ دل پر خوشی ہے ۔
بلہاریاں چاند سے ہوئے ۔ رب کی حفاظت ہوئے ۔ سیس
یہ جھومر سا ، جھمکا کرن کا ، مکھ پیاریاں شادیاں
گائیں گائیں ۔ شادی مبارک ، اوج پر ہیر ہو شاہ کے
چمن کا ۔ ہم . . .

شاہ : اے اراکین سلطنت ۔ تم سب سردار اِس وقت حاضر دربار ہو ، نشہ خوشی سے سرشار ہو :

اس وقت اس خدا کی عنایت کمال ہے
شادی میں منادی ہوئی ، جی نہال ہے
اب تو ہمارے جی میں یہ آنا خیال ہے
ان دونوں نو نہالوں نے جو پایا ملال ہے
ایسی خوشی کا وقت خدا جانے کب ملے
مل جائیں اُن کے ہاتھ بھی جب آج سب ملے

نوذر : اگر حضور کے ہاتھوں سے اس کا انجام ہو ۔

شاہ : شاداں ہو ، آبادی پاؤ ، تم دلبر دلدار
خوشیوں کی دنیا میں پہنو ، تازہ تازہ ہار

سب : **گانا**

ہم کو سکھ میں رکھ ، سب کار سپھل ہوجیو ، یہ گن گانا
ہم کو سکھا ۔ کیا کیا تیرے بھید جی ، من میں آئی ،
خوشی بھر لائی ۔ قدرت ہے تری حق ، نجات نجات کی

دھوم ہے ۔ سب کو سکھ میں رکھ ۔
دیش یہ شاہ ہو رنگ بھرا ۔ ہمیش ہرا سدا بھلا ہو شاہ کھڑا دکھا ۔ سکھ کا بھرا ۔ صفات بھرا تو اے خدا ، ہم کو سکھ میں رکھ ، سب کار سپھل ہوجیو ، یہ گن گانا ہم کو سکھا ۔

[بادشاہ کا ہاتھ ملانا ۔ ڈراپ سین کا آہستہ آہستہ گرنا اور تماشے کا اختتام پانا]

فرہنگ گلرو زرینہ

پہلا باب

پہلا منظر

دہقانیوں کی بولی :

بیکُنٹھہ = بہشت ۔

کا بیکُنٹھہ کا بگیحو ہوئی ہے = کیا جنت کا باغیچہ یہی ہے ؟

کھاموس = خاموش ۔

کوکت ہیں = کوک رہے ہیں (کوئل کی طرح) ۔

پھرماوت ہے = فرماتے ہیں ۔

دہقانی کی پوری عبارت کا خلاصہ :

"حضور بادساہ میرا نام تو ظالم ہے ۔ آپ کو اللہ سلامت رکھے ، عبر کے کسانوں میں میں مقدّم ہوں ۔ گڈریا کہلاتا ہوں ۔ ہمارے گاؤں میں ایک ہی جنگل ہے ۔ دور دور کے چاروں طرف کے جانور اس میں چھوڑے ہیں ۔ اس جنگل میں ہمارا گھر ہے ، حضور ، مالک والک کٹم قبیلہ سب رہتے ہی وہاں ہیں ۔ اس میں میوے کے درخت بھی لگائے ہیں ۔ اس میں ایک نئی بلا آ لگی ہے ۔"

ایک ہی جات کے لکھیّا ، کروروں جناور ، بھورو ، جا کا نام بھن ہے = ایک ہی ذات کے لاکھوں ، کروڑوں جانور ، بھورے رنگ کے ، جن کا نام بھن ہے ۔

سریر پہاڑ سا دکھائی دیت ہے = جسم پہاڑ سا نظر آتا ہے ۔

گلا دہقانی :

آسا پائی = (آسا = اُمید) اُمید بر آئی ، آرزو پوری ہوئی ۔

پہلا باب

دوسرا منظر

مکالمہ ، عورت اور مراد :

بلہاری بلہاری = قربان ، قربان ۔

پرنتُ = لیکن ۔

بھئے = ہوئے ۔

نکس گئے = نکل گئے ۔

نکسے = نکلے ۔

پھہمید = فہمید ، سمجھ ۔

گفتگو ، دھونکل ، گرو اور مُقدّم ۔

بسرام = آرام ۔

حیاپھب - ضیافت ، دعوت ۔

کھُسی = خوشی ۔

پہلا باب

تیسرا منظر

اُتّا دینا = فریب دینا ۔

بالا بتانا = ٹال مٹول کرنا ۔

چومک = چقماق ۔

دوسرا باب

پہلا منظر

تیرو گھر یا ہے=تیرا گھر یہ ہے ۔
چنتا=فکر ۔
پران=جان ، زندگی ۔
پران تجوں=جان قربان کروں ۔

دوسرا باب

چوتھا منظر

بکارتے ہو=غل مچاتے ہو ۔
کا ہے جو بکارتے ہو=کیا ہے جو غل مچاتے ہو ۔
دّرائے پڑے=گھس گئے ۔
باس سا کی پھوج=بادشاہ کی فوج ۔
کھمبکتی=کم بختی ۔
کیسے بڑ گئیں=کیسے گھس گئیں ۔
ڈنگر ڈھور=جانور ۔
بن گیو=بن گیا ۔
نہ سمجھائے سے مانت ہے نہ مار پیٹ سے ٹھیک ہووت ہے=نہ سمجھانے سے مانتا ہے ، نہ مار پیٹ سے ٹھیک ہوتا ہے ۔
کچھو=کچھ ۔
وای کرت ہے=وہی کرتا ہے ۔
تمھیں پریت ناہیں آوت=تمھیں پیار نہیں آتا ۔

میں ہل چلانے کا یا ڈھور رکھانے کا=میں ہل چلانے کے لیے ہوں
یا مویشی چرانے کے لیے -

وا کو سمجھ ناہی=اسے سمجھ نہیں -

میں بوجوں ہوں=میں پوچھتا ہوں -

بَرو جُلم ہونے گیو=بڑا ظلم ہو گیا -

بلا ٹارے رہا=بلا ٹالی تھی -

بڑو بھلونس تھا=بڑا بھلا مانس تھا -

فسانۂ عجائب

معروف بہ

جانِ عالم انجمن آرا

نظیر بیگ

مرزا نظیر بیگ اکبر آبادی اُن چند ڈراما نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی ایکٹر کی حیثیت سے شروع کی اور عرصے تک کسی نہ کسی حیثیت سے ڈرامے کی دنیا سے وابستہ رہے۔ ان کے حالات نامی صاحب نے بھی لکھے ہیں اور عشرت صاحب نے بھی۔ دونوں کی لکھی ہوئی باتوں میں کچھ تو مشترک ہیں لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جو ایک نے لکھی ہیں اور دوسرے نے نہیں لکھیں۔ عشرت صاحب اور نامی صاحب اس بات میں متفق ہیں کہ مرزا نظیر بیگ معمولی ایکٹر سے ترقی کرتے کرتے ڈراما نگار بنے۔ دونوں نے اُنھیں حافظ عبداللہ کا شاگرد بتایا ہے۔ باقی تفصیلات میں دونوں مصنفوں کے بیان میں فرق ہے تاہم ان دونوں صاحبان نے الگ الگ جو کچھ کہا ہے اُس سے نظیر بیگ کے متعلق ایک مجموعی رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

پہلے نامی صاحب کی لکھی ہوئی باتوں پر نظر ڈال لیجیے۔ اُنھوں نے چند سطروں میں مرزا نظیر بیگ کے جو حالات لکھے ہیں وہ یہ ہیں:

"مرزا نظیر بیگ، نظیر اکبر آبادی مرزا اشرف بیگ کے صاحب زادے اور اکبر آباد (آگرہ) کے رہنے والے تھے۔ حافظ محمد عبداللہ متخلص بہ حافظ کے شاگرد تھے۔ معمولی اداکار کی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے انڈین امپیریل

تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر اور بعد میں پارسی جوبلی تھیٹریکل کمپنی کے ڈائرکٹر اور پھر راجپوتانہ مالوہ ناٹک تھیٹریکل کمپنی آف جھالا واڑ اور لائٹ لنگ آف انڈیا تھیٹریکل کمپنی کے مینجنگ ڈائرکٹر مقرر ہو گئے۔ انھوں نے دو درجن سے زائد ڈرامے تصنیف و تالیف کیے۔ اُن کا شمار بھی حافظ کی صف میں کیا جاتا ہے:

۱۔ فسانۂ عجائب عرف عشق جانِ عالم و انجمن آرا — ۱۸۸۸ع

۲۔ ست ہریش چندر ناٹک نظیر عرف تماشا گردشِ تقدیر — ۱۸۹۰ع

۳۔ معرکۂ لنکا عرف رام لیلا ناٹک راماٸن کا — ۱۸۹۰ع

۴۔ نل دمن ہر دو حصہ — ۱۸۹۰ع

۵۔ عشق چندر بدن و آفتاب چند عرف تماشاے عالم پسند معہ نصیحت و پند — ۱۸۹۱ع (۱۸۹۰ع)

۶۔ ستمِ عشق و اُلفت عرف نتیجۂ محبت — ۱۸۹۲ع

۷۔ چمن نوبہار عرف راجہ سخن و کرشن اوتار — ۱۸۹۳ع

۸۔ نیرنگِ عشق — ۱۸۹۳ع

۹- چترا بکاؤلی عرف گلزارِ عاشقی ۱۸۹۴ع

۱۰- تائیدِ خدا ۱۸۹۴ع

۱۱- کھیل ہیملٹ نو ایجاد عرف واقعۂ جہانگیر ناشاد ۱۹۰۰ع

۱۲- حقیقت رائے جدید ناٹک عرف تماشا انصاف خورشید ضیائے ۱۹۰۱ع

۱۳- ماہی گیر و دلبر لقا عرف عاشق کی وفا ، معشوق کی جفا ۱۹۰۱ع

۱۴- رومیو جولیٹ عرف عشق فیروز لقا گلنار سیر ۱۹۰۴ع

۱۵- سحر سامری جمشیدی عرف طلسماتی پُتلی ۱۹۰۳ع

۱۶- آبِ ابلیس -

۱۷- ابوالحسن خوش قسمت -

۱۸- آفتاب اجودھیا -

۱۹- الہ دین چراغ -

۲۰- امرت -

۲۱- آئینۂ دلفروش -

۲۲- بلبلِ بیمار -

۲۳- بھول بھلیّاں -

۲۴- پین شہزادی -

۲۵- چندراولی -

۲۶- خوبصورت بلا -

۲۷- دھوپ چھاؤں -

۲۸- زنجیرِ گوہر -

۲۹- سرفروش سخن (غالباً سروشِ سخن ؟) -

۳۰- سفید خون -

۳۱- قتلِ نظیر -

۳۲- گلرو زرینہ ، نئی طرز -

(اردو تھیئٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۶۸ و آگے)

عشرت رحمانی صاحب نے ان کا ذکر دو جگہ کیا ہے - ایک ۱۸۷۹ع کے بعد کے ڈراما نگاروں کا تعارف کراتے ہوئے حافظ محمد عبداللہ کے ذکر کے ساتھ (اردو ڈراما - تاریخ و تنقید ، صفحہ ۲۰۸)، دوسرے الگ عنوان قائم کر کے (کتاب محولہٴ بالا ، صفحہ ۲۲۳) - پہلے بیان میں کہتے ہیں :

"حافظ عبداللہ کے ایک شاگرد نظیر بیگ ، جو پہلے ان کی کمپنی میں اداکار کی حیثیت سے کام کرتے تھے ، بعد ازاں بے نظیر تھیٹریکل کمپنی میں ڈائرکٹر ہوگئے اور ڈراما نگار بھی بن گئے - ان کے ڈراموں کا حال

بھی اپنے اُستاد کی مانند تھا کہ دوسروں کی تصانیف پر ہاتھ صاف کر کے چند طبع زاد تصانیف کے بھی مالک ہوئے۔“

نامی صاحب نے صرف اتنا لکھا تھا ”اُن کا شمار بھی حافظ کی صف میں کیا جاتا ہے۔“ عشرت صاحب نے بات پوری طرح کھول کر رکھ دی۔

عشرت صاحب نے آگے چل کر جو کچھ لکھا ہے اُس سے نظیر بیگ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عشرت صاحب لکھتے ہیں :

”نظیر بیگ بھی لائٹ آف انڈیا کمپنی کے اداکار اور حافظ عبداللہ کے شاگرد تھے۔ ان کے والد کا نام مرزا اشرف بیگ اور وطن آگرہ تھا۔ یہ علی گڑھ اور آگرہ کی تھیٹریکل کمپنی 'دی بے نظیر اسٹار آف انڈیا' کے ڈائرکٹر اور مہتمم بھی رہے۔ بعد ازاں پارسی جوبلی تھیٹریکل کمپنی بمبئی کے مہتمم ہوگئے۔ ان کا ایک ڈراما گلشنِ داکی دامنی عرف چندراولی لاثانی ۲۱ویں بار دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ یہ ڈراما پہلی بار اگست ۱۸۹۶ع میں ڈائرکٹر مالوہ تھیٹریکل کمپنی کے اہتمام سے شائع کیا گیا تھا اور ۱۹۰۹ع میں ۲۱ ویں بار طبع ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ اُس دور میں ملک کے اطراف و جوانب میں اُردو تھیٹر کا حرچا کتنا عام اور یہ ڈرامے کس قدر مقبول تھے۔ گو اس کی تصانیف کے بارے میں

بھی وہی کیفیت پائی جاتی ہے جو اس عہد کے دوسرے
مصنّفین کی عام روش بھی کہ قدیم ڈراموں میں معمولی
ترمیم و تسیخ کر کے باختیار خود قابض و مالک بن
جاتے ۔''

عشرت صاحب نے اس کے بعد نو مشہور ڈراموں کے نام لکھے ہیں ۔ ان میں سے آٹھ ڈراموں کے نام ناسی صاحب کی دی ہوئی ۳۲ ڈراموں کی فہرست میں نمبر ۴ ، ۱۳ ، ۲۹ ، ۸ ، ۱۵ ، ۶ ، ۱۷ اور ۲۵ پر درج ہیں ۔

عشرت صاحب نے مرزا نظیر بیگ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں دو باتیں توجہ طلب ہیں ۔ اُن کے ڈراموں پر مجموعی رائے دیتے وقت عشرت صاحب نے لکھا ہے کہ ''اُن کے ڈراموں کا حال بھی اپنے اُستاد کی مانند تھا کہ دوسروں کی تصانیف پر ہاتھ صاف کر کے چند طبع زاد تصانیف کے بھی مالک ہوئے'' . . . دوسری بات چندراولی کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھی ہے اور بتایا ہے کہ اس ڈرامے کا جو ایڈیشن ۱۹۱۹ع میں چھپا وہ اس کا اکیسواں ایڈیشن تھا ۔ یہ رائے دینے کے بعد عشرت صاحب نے مرزا نظیر بیگ کی مقبولیت کی طرف نہیں بلکہ اردو تھیٹر کی مقبولیت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

پہلی بات کے سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ ہمارے قدیم ڈراما نگاروں میں صرف نظیر بیگ ہی ایسے نہیں ہیں جن کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اُنھوں نے دوسروں کے ڈراموں پر ہاتھ صاف کیا اور اس طرح ڈراما نگار بن گئے ۔ اُنیسویں صدی میں لکھے ہوئے

ڈراموں کی فہرست پر نظر ڈالیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ہی پلاٹ کو تھوڑی بہت تبدیلی کر کے ایک نئے ڈرامے کی شکل دینے کا رواج بہت عام تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جن ڈراما نگاروں نے زیادہ ڈرامے لکھے ہیں اُن کے کئی کئی ڈرامے ایسے ہیں جن کا نام اُن سے پہلے اور بعد کے ڈراما نگاروں کے یہاں بھی ملتا ہے ۔ مرزا نظیر بیگ کے علاوہ رونق بنارسی ، طالب بنارسی ، حسینی میاں ظریف اور حافظ عبداللہ فتح پوری وغیرہ کے ڈراموں کی یہی صورت ہے ، اس لیے نظیر بیگ کے طرزِ عمل پر شدید نکتہ چینی اُن کے ساتھ ایک طرح کی نا انصافی ہے ۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ نظیر بیگ نے دوسروں کی چیزیں لے کر اُن میں اپنی طرف سے بھی کچھ اضافے کیے ہیں یا نہیں ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ نظیر بیگ نے اپنے زمانے کے تماشائی کے مذاق کے مطابق دوسروں سے لیے ہوئے ڈراموں میں بھی ایسی تبدیلیاں ضرور کیں کہ وہ دیکھنے والوں میں مقبول ہوئے ۔ عشرت صاحب کی دی ہوئی مثال اس مقبولیت کا ثبوت ہے اور غور سے دیکھیے تو اُن کے ڈراموں میں اور بھی کئی ڈرامے ایسے ملیں گے جو مقبولیت کی بنا پر بیس بیس مرتبہ چھپے ۔ مثال کے طور پر اسی طرح کا ایک ڈراما ''ست ہریش چندر ناٹک نظیر عرف تماشا گردشِ تقدیر'' ہے ۔ نامی صاحب کی فہرست میں اس کا نام شمار نمبر ۲ پر درج ہے ۔ اس ڈرامے کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے نامی صاحب لکھتے ہیں :

> جون ۱۹۱۹ع میں ''ایں کتاب بست و یک بار بہ تعداد دو ہزار پانچ سو جلد طبع شد ۔''

یہ بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ مرزا نظیر بگ کے ڈرامے خاصے مقبول تھے اور اُن کی مقبولیت کی وجہ محض یہ نہیں تھی کہ اُس زمانے میں اسٹیج کے ڈراموں کا بڑا حرچا تھا ۔ چرحا تو یقیناً تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خود ڈراما نگار میں اس کی صلاحیت موجود ہے یا نہیں کہ وہ ویسے ہی ڈرامے لکھ سکے جیسے اُس زمانے کے تماشائی کو پسند ہیں ۔ اس نقطۂ نظر سے مرزا نظیر بیگ کے ڈراموں پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تماسائیوں کے ذوق کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے میں خاصی کاوش سے کام لیتے تھے اور اپنے ڈرامے کے دیباچوں میں ان کاوسوں کی طرف اسارہ کر کے داد طلب بھی ہوتے تھے ۔ ذیل کی دو مثالیں میرے اس دعوے کی تائید کریں گی ۔

مرزا صاحب کے ایک ڈرامے کا نام ہے ''عشق حمدر بدن و آفتاب چند ۔'' نامی صاحب کی فہرست میں اس کا نمبر سہار ہ ہے ۔ مرزا صاحب اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

''میں نے یہ ناٹک ایک کتاب بنام نوبیدہ سے لیا ہے اور اس کا نام تماشہ عالم پسند معہ نصیحت و پند معروف بہ عسق چندر بدن و آفتاب چند موسوم کیا . . . اور جدید طرز در مرتّب کر کے عربی ، ہندی ، انگریزی عروض کی مختلف بحروں میں بزبان و مزاج اُردو نظم و نثر کیا ۔ اور بعص چیزیں دیگر شعرا کی طبع زاد ہیں جو ضروری ترمیم کے بعد اس ناٹک میں داخل کی گئی ہیں ۔''

اسی طرح کھیل ''ہملٹ نو ایجاد عرف واقعہ جہانگیر ناشاد''

(فہرست نامی صاحب ، شمار نمبر ۱۱) کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

''اس ناٹک کا قصّہ میں نے خاص ایک تصنیف شدہ کتاب مسٹر شیکسپیرؔ صاحب کی نامی گرامی ڈراماٹسٹ سے لےکر ترتیب دیا ہے اور اس ناٹک کا نام ناٹک و قصہؔ جہانگیر ناشاد معروف بہ کھیل ہیملٹ نو ایجاد موسوم کیا ہے ۔ چند غزلیں نامی گرامی شاعروں کی بھی لی ہیں جو بعد ضروری ترمیم کے اس میں داخل کی ہیں ۔ اگرچہ یہ ناٹک بظاہر کھیل تماشے کی کتاب ہے مگر حقیقتاً پندنامہ لاجواب ہے کیوں کہ اس ناٹک کے ملاحظہ فرمانے سے اُن عورتوں کی بے وفائی ، کج ادائی ظاہر ہوتی ہے ، جن کے دلوں میں خواہش شیطان تخم بدی بوتی ہے ۔''

دیباچوں کی مندرجہ بالا عبارتوں میں چند باتیں توجہ کی طالب ہیں :

(۱) مرزا نظیر بیگ نے بڑی صفائی سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے ڈراموں کے پلاٹ دوسروں سے ماخوذ ہیں ۔

(۲) اُنھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان ڈراموں میں جو گانے ہیں اُن میں سے بعض دوسرے شاعروں کے ہیں اور ضروری ترمیم کے بعد ناٹک میں شامل کیے گئے ہیں ۔

(۳) گانوں کو اُردو زبان کے مزاج کے مطابق عربی ، ہندی اور انگریزی طرزوں میں مرتّب کیا گیا ہے ۔

مرزا صاحب نے اپنے دیباچوں میں جو کچھ کہا ہے اُس سے

ایک طرف تو اُن کی فنّی دیانت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ بے تکلفی سے بتا دیتے ہیں کہ ان ڈراموں میں سے کون سی چیزاں ایسی ہیں جو انھوں نے دوسروں سے لی ہیں اور دوسرے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے ڈراموں میں اپنی طرف سے بھی بعض ایسی چیزیں شامل کرتے ہیں جن سے وہ تماشائیوں میں مقبولیت حاصل کرتے ہیں ۔ اُن کے دوسرے ڈراموں کے دیباچوں سے بھی ان دونوں باتوں کی تائید ہوتی ہے ۔ مثلاً چترا بکاؤلی کے دیباچے میں آنھوں نے گانوں کے متعلق یہ بات کہی ہے کہ ”میں نے اس ناٹک میں وہ طرزیں جو نئی الفریڈ کے ناٹک میں گائی جاتی ہیں ، مثلاً ناٹک الہ دین ، علی بابا ، چترا بکاؤلی ، آبِ ابلیس و خاندانِ ہامان تالیف جناب منشی محمد مراد و سیٹھ دادی کریش جی ، بمبئی کے ناٹکوں میں طرزیں ہیں ، اُن طرزوں کے وزنوں پر یہ چیزیں بنائی ہیں ۔“

مرزا نظیر بیگ کی توجہ زیادہ تر ناٹکوں کے گانوں کی طرف ہے اس لیے کہ اُنھیں معلوم ہے کہ اُن کے زمانے کے تماشائی کے لیے ناٹک کی دلکشی کا انحصار گانوں ہی پر ہے ۔ ڈراما نگار اور اُس کے تماشائی کے باہمی رشتے کا یہی احساس ہے جو اُن کے قلم سے اس طرح کی باتیں بھی لکھوا دیتا ہے : ”میں نے اس ناٹک میں وہ چیزیں رکھی ہیں جو شائقین ملاحظہ کریں گے تو حظ اُٹھائیں گے . . . میں نے اس ناٹک میں دھرپدیں اور . . . ٹھمریاں و غزلیں و انگریزی وزن کی چیزیں خود بنا کر موقع سے رکھی ہیں ۔“

(دیباچہ ہریش چندر ناٹک)

یہی بات معرکۂ لنکا کے دیباچے میں ان لفظوں میں بیان ہوئی

ہے : "میرے دوستوں نے شوق دلایا کہ ہماری خاطر یہ ناٹک بطرزِ جدید بناؤ اور اُس میں عمدہ عمدہ طرز کی دُھرپدیں اور ٹُھمریاں اور کجریاں اور . . . غزلیں اور انگریزی وزن کی چیزیں بھی ملا کر بناؤ ۔"

اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ مرزا نظیر بیگ نے اپنے ناٹکوں میں بہت سی چیزیں دوسروں سے لی ہیں ، اپنی طرف سے بھی اُن میں ایسی چیزوں کا اضافہ کیا ہے کہ وہ اُن کے عہد کے تماشائی کے لیے دلچسپی کا باعث بنیں ۔

ایک آخری بات اور ، میں نے اُن کے کھیل ہیملٹ کے دیباچے کی جو عبارت اس بحث کے شروع میں نقل کی تھی اُس میں یہ الفاظ بھی آئے تھے "مگر حقیقتاً پند نامہ لاجواب ہے . . ." ڈرامے میں نصیحت کے پہلو کی طرف یہ اشارہ صرف اسی ایک ڈرامے میں نہیں ۔ ڈراموں کا تعارف کراتے ہوئے مرزا صاحب نے پند و موعظت کی بات اس کے علاوہ بھی کہیں کہیں کی ہے ، گو بنیادی حیثیت وہ اُسی لطف اور حظ کو دیتے ہیں جو گانوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ۔ مثلاً "اندھیر نگری" کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

"اس میں شک نہیں کہ یہ دلحسپ ناٹک ، اس کے پردے اور بازار والوں کی رسیلی صدائیں ناظرین کے دلوں کو لبھائیں گی ، شہر کی خود فراموشی و یکساں حالتی و بدتمیزی سے ایک ضروری عبرت پیدا ہوگی ۔"

پند و موعظت کے پہلو کی طرف اشارہ کرنے کی جس روش کا ذکر میں نے کیا ، سچ پوچھیے تو اس میں بھی مرزا نظیر بیگ کی

حیثیت ایک مقلّد ہی کی ہے ، اس لیے کہ اُن کے اُستاد حافظ عبداللہ بھی اپنے دیباچوں میں کبھی کبھی اسی طرح کی بات لکھ جاتے ہیں ، مثلاً عشق شیریں فرہاد کے دیباچے میں حافظ صاحب لکھتے ہیں : ''یہ ناٹک بظاہر عشق و محبت کا فوٹو ہے ، لیکن اصل میں ایک پند نامہ لاجواب ہے اور حقیقت کا سبق ہے ۔''

اُردو میں اسٹیج کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ناٹک کمپنیاں ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے شوق کی اُس مشعل کو روشن رکھتی تھیں ، جو شروع شروع میں پارسیوں کی قائم کی ہوئی کمپنیوں نے جلائی تھی ۔ اس مشعل کو روشن رکھنے والوں میں جن لوگوں کا نام اُردو ڈرامے کی تاریخ کا مؤرخ ہمیشہ لے گا ، اُن میں حافظ عبداللہ اور اُن کے شاگرد مرزا نظیر بیگ کا نام سرِ فہرست شامل ہوگا ، اس کے باوجود کہ ان دونوں کے کارناموں کی بنیاد میں خوشہ چینی اور نقّالی کو خاصا دخل ہے ۔

وقار عظیم

لاہور ، ۱۳ - اپریل ۱۹۷۲ع

تبصرہ

''جان عالم اور انجمن آرا'' کا قصہ اُردو کے چند معروف اور مقبول قصوں میں سے ہے۔ سرور کی فسانۂ عجائب جس میں یہ قصہ بیان ہوا ہے، اُردو نثر کی اہم کلاسکی تصنیفوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اِسی شہرت اور مقبولیت کا نتیجہ ہے کہ اُردو کے کئی ڈراما نگاروں نے اسے اپنی ڈرامائی تخلیق کا موضوع بنایا ہے۔ مرزا نظیر بیگ کا زیر بحث ڈراما، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، جان عالم اور انجمن آرا کے قصے کی بنیاد پر لکھا گیا ہے اور اس میں کہیں کہیں نثر کے اصل قصے کا براہ راست (اثر) بھی نظر آتا ہے، لیکن مرزا نظیر بیگ کے علاوہ بلکہ ان سے پہلے اُردو کے کئی اور ڈراما نگار بھی اسے ڈرامائی صورت دے چکے تھے۔ مختلف ڈراما نگاروں اور خصوصیت سے ایسے ڈراما نگاروں کی تخلیقات کی فہرست پر نظر ڈالیے جنھوں نے کثرت سے ڈرامے لکھے ہیں تو اُن میں اس قصے کا نام ضرور مل جائے گا؛ مثلاً سب سے پہلے اس کا نام رونق بنارسی کے نام کے ساتھ آتا ہے، جنھوں نے یہ ڈراما ''فسانۂ عجائب عرف جان عالم اور انجمن آرا'' کے نام سے لکھا۔ نامی صاحب نے (اُردو تھیٹر، جلد دوم، ص ۹۲) اُن کے جس ڈرامے کا ذکر کیا ہے، وہ بقول اُن کے منظوم ڈراما ہے اور اُس پر سنہ تصنیف ۱۸۸۲ء درج ہے۔ اسٹیج ہونے کی تاریخ ۲۹ اپریل ہے۔

نامی صاحب نے رونق کے فسانۂ عجائب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بات بھی لکھی ہے کہ ''میری لائبریری میں فسانۂ عجائب کا ایک اور بھی نسخہ ہے جس پر تاریخ ۱۸۹۶ء درج ہے - اس میں نظم و نثر کا تناسب مساوی ہے - کتاب پر نہ مصنف کا نام ہے نہ پبلشر کا -

دوسری دفعہ اس ڈرامے کا ذکر طالب بنارسی کے ڈراموں میں آتا ہے اور نامی صاحب نے اس کا تعارف کراتے ہوئے (اردو تھیٹر جلد دوم ، صفحہ ۱۱۰) لکھا ہے کہ طالب نے یہ منظوم ڈراما ۱۸۸۴ء میں مرتب کیا ، جو رونق کے ڈرامے فسانۂ عجائب سے ماخوذ ہے اور جس کی اشاعت ۱۸۸۲ء میں ہوئی''- نامی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ طالب نے یہ ڈراما پہلے الفنسٹن ڈرامٹک کلب بمبئی کے لیے تالیف کیا اور اس کے پلاٹ میں بعض تبدیلیاں کر کے اور ''زیادہ دلکش اور لطیف پیرایے میں ترتیب دے کر وکٹوریہ ناٹک منڈلی کی طرف سے پیش کیا -''

ظریف ان ڈراما نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی دوکان ، مانگے تانگے کے سامان سے سجائی ہے - اُن کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ اُنھیں دوسروں کے ڈرامے کو اپنا بنا لینے کا خاص ملکہ تھا - یہی وجہ ہے کہ اُن کے کارناموں کی فہرست بھی طویل ہے اور اس طویل فہرست میں فسانۂ عجائب کا نام بھی شامل ہے - نامی صاحب نے ان کے ڈرامے کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ ''اصل ڈراما رونق کا ہے -'' اس ڈرامے کے متعلق نامی صاحب نے جو چند باتیں اور

کہی ہیں ، وہ یہ ہیں :

(۱) یہ منظوم ڈراما چار ایکٹ اور بائیس سین پر مشتمل ہے اور اسے غالباً ظریف نے اپنے الفاظ میں قلم بند کیا ہے -

(۲) اس پر ظریف کا نام تحریر نہیں ، اور

(۳) اس کا نصف حصہ نثر میں ہے -

آخری دونوں باتوں سے خیال ہوتا ہے کہ یہ ڈراما وہی ہے جس کا ذکر نامی صاحب نے رونق کے فسانۂ عجائب کے ساتھ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں نظم و نثر کا تناسب مساوی ہے اور کتاب پر مصنف اور پبلشر کا نام درج نہیں -

حافظ عبداللہ بھی کثیر التصنیف ڈراما نگار ہیں اور فسانۂ عجائب عرف جان عالم و انجمن آرا کا نام اُن کی فتوحات کی طویل فہرست میں بھی موجود ہے اور مرزا نظیر بیگ نے غالباً اپنے ڈرامے کی بنیاد اسی ڈرامے کو بنایا ہے - نظیر کے ڈراموں کی فہرست میں پہلا نام اسی ڈرامے کا ہے اور اُس کا پورا نام یہ بتایا گیا ہے : "فسانۂ عجائب عرف عشق جان عالم و انجمن آرا" - اس ڈرامے کے دو متن ہمارے سامنے ہیں - ان دونوں میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ نظیر کے ڈرامے کا ماخذ حافظ عبداللہ کا ڈراما ہے - ایک متن کے سرورق پر مرزا نظیر بیگ نے اپنے آپ کو "شاگرد خاص حافظ محمد عبداللہ صاحب تخلص بہ حافظ" لکھا ہے اور دوسرے کے سرورق پر حافظ صاحب کی اعانت کا ذکر ان الفاظ میں کیا

گیا ہے : ''باعانت شاعر نامدار یگانۂ روزگار جناب حافظ محمد عبداللہ صاحب'' ۔ پہلے متن کے ساتھ جو دیباچہ شامل ہے اس میں نظیر بیگ نے استاد سے اپنے تعلق اور فسانۂ عجائب ناٹک کی ترتیب میں ان کی اعانت کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے :

''جب سے (یعنی ۱۵ ۔ دسمبر ۱۸۸۲ع) برابر ایکٹری پر مقرر ہوں اور بالفعل اس کمپنی کے سب مڈل ایکٹروں میں اول نمبر ہوں ۔ چونکہ میرے آقائے نامدار جناب حافظ عبداللہ صاحب زمیندار ، تخلص بہ حافظ رئس چتورا پروپرائٹر کمپنی ہذا کو شعر و سخن سے کمال ذوق ہے اور تصنیف و تالیف کتب ناٹک کا نہایت شوق ہے لہٰذا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں بھی کوئی ناٹک بطرز جدید ترتیب دوں اور اس کو اس دار ناپائدار میں اپنا یادگار چھوڑوں ۔ بنظرآں میں نے یہ ناٹک ماہ جون ۱۸۸۸ع مقام شہر فرخ آباد میں ، بہ اعانت آقائے ممدوح واسطے استعمال خاص انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی کے ترتیب دے کر اس کو بنام فسانۂ عجائب معروف بہ جان عالم و انجمن آرا موسوم کیا ۔''

نظیر اکبر آبادی نے یہ ڈراما ۱۸۸۸ع میں ترتیب دیا ۔ اس کے بعد انھوں نے اور بھی بہت سے ڈرامے لکھے ۔ چنانچہ ان کے لکھے ہوئے ۳۲ ڈراموں کے نام لیے جاتے ہیں ۔ ان ۳۲ ڈراموں میں سے سب سے زیادہ شہرت کسے حاصل ہوئی ؟ یہ بتانا مشکل ہے ، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ فسانۂ عجائب البتہ خاصا مشہور و مقبول

ہوا ، اس کا ثبوت یہ بات ہے کہ فسانۂ عجائب کے جن دو متون کا ذکر میں نے کیا ہے اُن میں ایک تو ۱۸۸۸ع کا چھپا ہوا ہے اور دوسرا ۱۹۱۲ع کا ۔ یہ متن اپریل ۱۹۱۲ع میں چھپا ہے اور اس پر ''بیسویں بار'' درج ہے ۔ ممکن ہے کہ ۱۹۱۲ع کے بعد اس کے اور ایڈیشن بھی چھپے ہوں ، اس لیے کہ اُن کے بعض مقبول ڈراموں کے متن ایسے بھی ہیں جو ۱۹۱۹ع میں چھپے ۔ ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۲ع اور ۱۹۱۹ع کے درمیان فسانۂ عجائب چند بار اور بھی چھپا ہو اور اُن کے اُن دو ڈراموں سے بھی زیادہ مقبول ہوا ہو جن کے اکیسویں بار چھپنے کی شہادت ملتی ہے ۔ بہرحال یہ بات تو محض قیاس پر مبنی ہے ، لیکن ایک بات اور بھی ایسی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظیر بیگ کو اپنے ڈراموں میں فسانۂ عجائب بطور خاص پسند ہے اور اُنھوں نے اس کا ذکر اپنے بعض دوسرے ڈراموں کے دیباچوں میں کیا ہے ۔ ست ہرنس چندر ناٹک کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں : ''ایک ناٹک بنام فسانۂ عجائب معروف بہ عشق جان عالم و انجمن آرا ماہ جون ۱۸۸۸ع میں بنا چکا ہوں ۔'' اسی طرح 'معرکۂ لنکا' کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ''پہلے ایک ناٹک بنام فسانۂ عجائب معروف بہ جان عالم و انجمن آرا بعنایت آقائے نامدار یعنی حافظ عبداللہ صاحب . . . ماہ جون میں بنا چکا ہوں'' ۔

ان باتوں سے فسانۂ عجائب کی مقبولیت تو مسلّم ہو جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ فسانۂ عجائب کو مقبولیت کی یہ صورت دینے میں نظیر بیگ کا کتنا حصہ ہے ۔ اس بات کا یقین کرنے کے لیے اُن معلومات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے جو نظیر بیگ سے پہلے کے لکھے ہوئے ڈراما نگاروں کے ''فسانۂ عجائب'' کے متعلق ہمارے

پاس موجود ہیں ۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز قصے کا پلاٹ ہے ۔

فسانۂ عجائب کا قصہ یوں ہے کہ فیروز بخت بادشاہ کے یہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے اور سہزادے کا نام جان عالم رکھا جاتا ہے ۔ نجومی اُس کا زائچہ دیکھتے ہیں تو پیشین گوئی کرتے ہیں کہ پندرھویں برس ایک پکھیرو شہزادے کے ہاتھ آئے گا ۔ اُس کی وجہ سے میاں بیوی میں کھٹ پٹ ہو جائے گی اور شہزادہ راج پاٹ چھوڑ کر دس بدیس میں بھٹکتا پھرے گا ۔ چنانچہ آگے چل کر یہی واقعات پیش آتے ہیں ۔ شہزادے کی شادی ماہ طلعت سے ہوتی ہے ۔ شہزادہ ایک طوطا خرید کر لاتا ہے ۔ ماہ طلعت اور طوطے میں بحث ہو جاتی ہے اور شہزادہ طوطے سے انجمن آرا کے حسن کا حال سن کر اُس کی تلاش میں نکلتا ہے ۔ وزیر زادہ جو اُس کا دوست ہے ، ساتھ جاتا ہے ۔ طوطے کی رہنمائی میں یہ لشکر سفر پر روانہ ہوتا ہے ۔ راستے میں ایک ہرن نظر آتا ہے اور شہزادہ اُس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیتا ہے اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جاتا ہے ۔ ایک حوض کے کنارے بیٹھ جاتا ہے اور پانی میں محبوبہ کا عکس دیکھ کر اُس میں کود پڑتا ہے اور ایک جادو گرنی کے چنگل میں پھنس جاتا ہے ۔ عرصے تک یہاں رہتا ہے ۔ ایک دن جادو گرنی ترس کھا کر نقش سلیمانی دے دیتی ہے اور شاہزادہ جان عالم اس نقش کی مدد سے جادو گرنی کی قید سے رہا ہوتا ہے ۔ یہاں سے نکل کر ملکہ مہر نگار کے ملک میں پہنچتا ہے ۔ ملکہ مہر نگار کے والد بزرگوار اُسے ایک لوح دیتے ہیں ۔ شہزادہ انجمن آرا کے ملک زرنگار میں پہنچتا ہے ۔

یہاں اُس کی ملاقات ایک خواجہ سرا سے ہوتی ہے جو اُسے انجمن آرا کے شہپال جادو گر کی قید میں ہونے کی اطلاع دیتا ہے ۔ شہزادہ انجمن آرا کو اس قید سے رہائی دلاتا ہے ۔ شہزادے شہزادی کی شادی ہو جاتی ہے ۔

جان عالم اور انجمن آرا ملک زرنگار سے روانہ ہو کر ملکۂ مہر نگار کے ملک میں پہنچتے ہیں ۔ یہاں جان عالم کی شادی ملکہ سے ہوتی ہے ۔ ملکہ کے والد اسے ایک طلسم سکھاتے ہیں جس کی مدد سے انسان ایک قالب سے دوسرے قالب میں جا سکتا ہے ۔ سادی کے بعد یہ قافلہ آگے روانہ ہوتا ہے ۔ اس سفر میں سہزادے کو اُس کا بچھڑا ہوا دوست وزیر زادہ مل جاتا ہے اور وہ انجمن آرا کو دیکھ کر اس کے حسن پر فریفتہ ہو جاتا ہے ۔ وزیر زادہ شہزادے کو بہلا پھسلا کر اُس سے قالب بدلنے کا راز معلوم کر لیتا ہے ۔ یہ راز بتاتے ہوئے شہزادہ ایک بندر کے قالب میں چلا جاتا ہے اور وزیر زادہ شہزادے کے قالب پر قبضہ کر لیتا ہے ۔ بندر جان بچا کر بھاگتا ہے اور وزیر زادہ (جواب جان عالم کے بھیس میں ہے) بندروں کو پکڑنے اور مارنے کی مہم شروع کرتا ہے ۔ بندر ایک چڑی مار کے ہاتھ آتا ہے ، ایک سوداگر اُس سے خرید لیتا ہے ۔ وزیر زادے کو اطلاع ہوتی ہے تو وہ سوداگر کو بندر کے دربار میں لانے کا حکم دیتا ہے ۔ ملکہ مہر نگار کو بعض باتوں کی وجہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بندر کے قالب میں جان عالم کی روح ہے ۔ وہ ایک طوطے کا پنجرہ لے کر بیٹھ جاتی ہے ۔ جب سوداگر بندر کو لے کر اُدھر سے گزرتا ہے تو بندر اور ملکہ مہر نگار کی کچھ باتیں اشاروں اشاروں میں ہوتی ہیں اور ملکہ اپنی ہوشیاری سے جان عالم

کی روح کو طوطے کے قالب میں منتقل کر لیتی ہے اور پھر اپنی ہوشیاری سے وزیر زادے کو مار کر جان عالم کی روح کو اس کے اصلی قالب میں پہنچا دیتی ہے ۔

یہاں سے یہ قافلہ آگے چلتا ہے تو راستے میں جادو گرنی سب کے جسموں کو آدھا پتھر کا کر دیتی ہے ۔ پیر مرد آتے ہیں او سب کو رہائی دلاتے ہیں ۔ شہ پال جادو گر کو بھی انہیں کے ہاتھوں سکست ہوتی ہے اور پھر سب خوسی خوشی گھر کی طرف روان ہوتے ہیں ۔ راستے میں جان عالم کو دریا کی سیر کا شوق ہوتا ہے دریا میں طوفان آتا ہے ۔ جہاز تباہ ہو جاتا ہے اور سب ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں ۔ جان عالم ایک جوگی کی مدد سے او ملکہ مہر نگار ایک بادشاہ کی مدد سے محفوظ جگہ پہنچتے ہیں او بالآخر سب ہنسی خوشی گھر واپس آتے ہیں ۔ یہاں آ کر ملکہ مہر نگار ماہ طلعت کا قصور معاف کروا دیتی ہے اور سب مل کر رہنے لگتے ہیں اور یوں قصہ خوسی پر ختم ہوتا ہے ۔ اصل قصے کے بیچ بیچ میں کئی ضمنی قصے بھی آتے ہیں ۔

مرزا نظیر بیگ کے جان عالم اور انجمن آرا کا پلاٹ فسانہ عجائب کے اصل پلاٹ سے بہت مختلف ہے ۔ پہلی بات تو یہ کہ ڈرامے میں کسی ضمنی قصے کی طرف کوئی اسارہ تک نہیں اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے تھا ، لیکن اصل قصے میں بھی بعض نمایاں تبدیلیاں کر لی گئی ہیں ۔ پہلی بڑی تبدیلی تو یہ ہے کہ اس کے شروع میں اس طوطے کا کوئی ذکر نہیں جو اصل میں سارے فسانے کی جڑ بنا ۔ یہاں یہ کام ایک خواجہ سرا سے لیا گیا ہے اور قصے

پہلا منظر ہی یہ ہے کہ فسانہ عجائب میں جس طرح ماہ طلعت طوطے سے پوچھتی ہے کہ بتاؤ دنیا میں ہے کوئی میرے حسن کا ثانی ؟ اسی طرح یہاں وہ سوال خواجہ سرا سے کہا جاتا ہے اور وہ ماہ طلعت کو وہی جواب دیتا ہے جو طوطے نے دیا تھا اور ماہ طلعت کو خواجہ سرا پر غصہ آ جاتا ہے ۔ بات جان عالم تک پہنچتی ہے اور وہ انجمن آرا کے حسن کا حال سن کر اور اُس کی تصویر دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ہے ۔

ڈرامے میں پلاٹ کی ایک تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ دوسرے ہی منظر میں دکھایا گیا ہے کہ وزیر زادہ (جس کا نام ڈرامے میں میمون خصال ہے) ماہ طلعت سے اپنی محبت کا ذکر کرتا ہے اور یہ منصوبہ بناتا ہے کہ کسی طرح جان عالم کو ختم کر کے ماہ طلعت پر قبضہ کر لے ۔ ایک اور نئی بات ڈرامے میں یہ کی گئی ہے کہ ماہ طلعت جوگن کے بھیس میں جان عالم کی تلاش میں گھر سے نکلتی ہے اور جنگل میں اُس کی ملاقات وزیر زادے سے (جس کا نام میمون خصال رکھا گیا ہے) ہوتی ہے اور اس طرح وہ پورے ڈرامے میں ہر مرحلے میں ”ولین“ کا کردار ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے ۔ پانچویں منظر میں جان عالم کو اس طرح ملکہ مہر نگار کے باغ میں دکھایا گیا ہے جیسے اصل قصے میں ۔ اس جگہ ڈرامے کا پہلا ایکٹ ختم ہو جاتا ہے ۔

دوسرے ایکٹ میں بھی بعض نئی باتیں ہیں اور واقعات کی ترتیب میں کچھ تبدیلیاں کرکے اُن میں ڈرامائی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ پہلے منظر میں انجمن آرا کو شہ پال کی قید میں

بے قراری کے عالم میں دکھایا گیا ہے۔ اصل قصے میں یہ منظر نہیں۔ دوسرے منظر کے واقعات بھی ایک طرح کے اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ڈرامائی صورتِ حال کے ابھارنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہاں پہلے خواجہ سرا آتا ہے، پھر اس کی ملاقات ماہ طلعت سے ہو جاتی ہے اور اسی منظر میں میمون خصال پھر ایک مرتبہ نظر آتا ہے اور یہاں سے خواجہ سرا ماہ طلعت کے ہمدردوں اور مدد گاروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ تیسرے منظر میں جان عالم کا شہ پال کے قلعے میں پہنچنا، اس کے طلسم کو توڑنا اور انجمن آرا سے ملنا دکھایا گیا ہے۔ اصل قصے میں بھی اسی طرح ہے۔ چوتھا منظر واقعات میں اضافہ ہے۔ یہاں شہ پال ساحرہ پر سختی کرتا ہوا دکھایا گیا ہے، اس بنا پر کہ اس نے جان عالم کی محبت میں مبتلا ہو کر اسے وہ نقش دیا جس کی مدد سے جان عالم شہ پال پر غالب آیا۔ پانچویں منظر میں جان عالم کا انجمن آرا کے والد کے پاس پہنچنا، دونوں کی شادی ہونا اور پھر گھر کے لیے روانہ ہونا دکھایا گیا ہے۔ یہ واقعات اصل قصّے میں بھی اسی طرح ہیں۔ چھٹے منظر میں جان عالم کی جدائی میں ملکہ مہر نگار کی بے قراری دکھائی گئی ہے۔ اس میں مہر نگار اور خواصوں کے مکالمے بھی اصل قصّے سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی منظر میں خواجہ سرا، ماہ طلعت اور میمون خصال بھی سامنے آتے ہیں اور میمون خصال مہر نگار کو دیکھ کر اس پر بھی فریفتہ ہو جاتا ہے، یہ گویا اس کی دوسری محبت ہے۔ اِسی منظر میں خواجہ سرا ایک مرتبہ باہر جاتا ہے اور ناچتا گاتا ہوا واپس لوٹتا ہے۔ اس مرتبہ جان عالم اور انجمن آرا بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اس طرح گویا اس منظر میں سب بچھڑے ہوئے آپس میں مل جاتے ہیں۔

تیسرے باب (ایکٹ) میں واقعات میں پھر اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اصل قصّے میں بھی ایسا ہوا ہے، لیکن ڈرامے میں واقعات کو کچھ بدل کر اور کچھ مختصر کر کے اُنھیں ذرا نئی شکل دی گئی ہے۔ یہ تبدیلیاں ایسی ہیں جو واقعات کو آسانی سے اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے ضروری تھیں، لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود قصّے کی اصل روح برقرار رہتی ہے۔ پہلے منظر میں جان عالم اور میمون خصال شکار کو جاتے ہیں اور وہاں جان عالم اُسے قالب بدلنے کا وہ راز سکھا دیتا ہے جو پیر مرد نے اُسے بتایا تھا۔ اس افسوں کی مدد سے جان عالم ایک بندر کے قالب میں منتقل ہو جاتا ہے اور وزیر زادہ جان عالم کے قالب میں داخل ہو جاتا ہے۔ دوسرے منظر میں مہر نگار ایک پریشان خواب دیکھتی ہے۔ اس کے بعد ہی میمون خصال بندر کا پیچھا کرتا نظر آتا ہے۔ خواجہ سرا آتا ہے اور میمون خصال کے پیچھے جاتا ہے۔ اتنے میں میمون خصال آتا ہے اور انجمن آرا کو اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ یہ گویا اُس کی تیسری محبت ہے۔ اتنی دیر میں مہر نگار جو بے ہوش ہو گئی تھی، ہوش میں آ جاتی ہے۔ اتنے میں خواجہ سرا جان عالم کی لاش اُٹھا کر لاتا ہے۔ میمون خصال بندر کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ بندر ایک سوداگر کے پاس ہے تو وہ اُسے اپنے پاس لانے کا حکم دیتا ہے۔ جس راستے سے سوداگر اور بندر گزرتے ہیں وہاں ملکہ مہر نگار پہلے سے موجود ہوتی ہے (جیسا کہ اصل قصّے میں ہے) اور وہ اپنی دانش مندی سے جان عالم کی روح کو پہلے طوطے کے قالب میں اور پھر جان عالم کے اصل قالب میں لے آتی ہے۔ بندر مر جاتا ہے، جان عالم زندہ ہو جاتا ہے۔ تیسرے منظر میں شہ پال جادوگر آتا ہے اور میمون خصال

کو مار کر انجمن آرا کو اُٹھا لے جاتا ہے۔ یہ حصّہ اصل قصّے میں اس طرح نہیں ہے۔ چوتھے منظر میں جان عالم اُس جگہ پہنچتا ہے جہاں شہ پال نے انجمن آرا کو قید کر رکھا ہے اور وہ خود بندر کے روپ میں پڑا سو رہا ہے۔ جان عالم لوح سلیمانی کی مدد سے شہ پال کو مارتا ہے اور جان عالم اور انجمن آرا آپس میں مل جاتے ہیں۔ پانچویں منظر میں خواجہ سرا روتا بیٹتا آتا ہے۔ ساحرہ آتی ہے اور اُس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ یہاں جان عالم بھی آ جاتا ہے اور اُسے ساحرہ کے چنگل سے رہائی دلاتا ہے۔ انجمن آرا تو جان عالم کے ساتھ ہے، ماہ طلعت بھی وہاں آ جاتی ہے اور جان عالم انجمن آرا کی سفارش پر اُس کا قصور معاف کر دیتا ہے۔ چھٹا منظر فیروز بخت کے محل کا ہے، جہاں فیروز بخت کو جان عالم کی یاد میں تڑپتا تلملاتا دکھایا گیا ہے۔ خواجہ آ کر مردہ دیتا ہے۔ جان عالم، مہر نگار، انجمن آرا اور ماہ طلعت سمیت آتا ہے۔ بادشاہ سب کو گلے لگاتا ہے اور ڈراما خوشی کے گیت پر ختم ہوتا ہے۔

نظیر بیگ کے قصّے کے پلاٹ میں اصل کے مقابلے میں جو فرق نظر آتے ہیں اُن کے متعلق یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ یہ فرق نظیر بیگ نے پیدا کیے یا اُن سے پہلے کے ڈراما نگاروں نے، پھر یہ اندازہ لگانا بھی آسان نہیں کہ ڈرامے میں نثر و نظم کا جو امتزاج ہے اور نظم کو جن مختلف صورتوں میں استعمال کیا گیا ہے اُسے کس کی کار گزاری قرار دیا جائے۔ البتہ اس سلسلے میں بعض باتیں ایسی ہیں جن سے کسی حد تک کچھ قیاس کیے جا سکتے ہیں۔

دو باتیں اُس موقع پر ہمارے سامنے آتی ہیں جب نامی صاحب نے

کے فسانۂ عجائب کی تفصیلات لکھی ہیں ۔ نامی صاحب نے
کے فسانۂ عجائب کے پلاٹ کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان
:،

''شاہزادہ جان عالم اپنے خواجہ سرا سے شہزادی انجمن آرا کے حسن لاثانی کا حال سن کر نا دیدہ عاشق ہو جاتا ہے اور اُس کی تلاش میں نکلتا ہے۔ راستے میں ایک ساحرہ اُس کے حسن و جمال کی پرستار بن جاتی ہے۔ شہزادہ راہِ فرار نہ پا کر دلجوئی کرتا ہے ۔ ساحرہ اُس کو اپنے باپ شہپال کی سلیمانی تختی بطور تحفہ پیش کرتی اور اُس کی خصوصیات سے اُس کو آگاہ کرتی ہے ۔ شہزادہ اِسی تختی کی مدد سے شہ پال کے طلسم کو توڑتا ، شہزادی انجمن آرا کو قید سے چھڑاتا اور اُس کے والد صاحب قران والیٔ زرنگار تک اُس کو پہنچاتا ہے ، جو دونوں کی شادی کر دیتا ہے ۔''

لاصے سے خیال ہوتا ہے کہ رونق نے ملکہ مہر نگار کے
کو اہمیت نہیں دی ، لیکن ایک کام کی بات ضرور معلوم ہو
ہے کہ نظیر بیگ کے ڈرامے میں طوطے کی جگہ خواجہ سرا کے
کا لانا رونق کے تخیّل کی تخلیق ہے اور اس کی داد اُنھیں
باہیے۔

نامی صاحب نے دو باتیں اور لکھی ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ
ادہ ساحرہ کے جال میں پھنس کر جو فارسی غزل گاتا ہے وہ
معار پر مشتمل ہے''۔ اصل قصّے میں جان عالم نے فارسی کی
غزل نہیں گائی ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رونق نے یہ اضافہ

اپنی طرف سے کہا ہے ۔ مرزا نظیر بیگ کے متن میں جان عالم سے کئی غزلیں گوائی گئی ہیں ۔ ان میں سے ایک فارسی کی غزل بھی ہے لیکن یہ غزل چار شعروں کی ہے ۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ غزل رونق ہی کے متن سے لی گئی ہے ، لیکن پانچ کے بجائے چار شعر لیے گئے ۔ یہ بات اس لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ فارسی کی غزل معنوی اعتبار سے ڈرامائی صورتِ حال سے اتنی واضح مطابقت رکھتی ہے اور اشعار کے انتخاب میں اتنی خوش ذوقی ہے کہ اِسے مرزا نظیر بیگ جیسے کم پڑھے لکھے شخص سے منسوب کرنا ممکن نہیں ۔ غزل کے شعر آپ بھی سُن لیجیے :

بہارِ عمر فرو رفت در خزانِ فراق
کسے مباد چو من زار و ناتوانِ فراق
چو عندلیب ز شوقِ گُلِ رُخت ہر دم
ہزار گونہ دہم شرحِ داستانِ فراق
چو لالہ داغ دل و اسک سُرخ، چہرہ زرد
قضا بنامِ من آورد ایں نسانِ فراق
لباس صبر حو گل پارہ پارہ سُد چکُنم
ز حد گزست سے مدّتِ زمان فراق

دوسری بات یہ کہ "حان عالم ساحرہ سے سلیمانی تختی لینے کے بعد جب اُس کے ٹھوکر مارتا ہے تو وہ بھی فارسی بولنے لگتی ہے :

کس نہ آموخت علمِ تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

"فارسی بولنے لگتی ہے" پڑھ کر مجھے بڑی ہنسی آئی ۔ بات دراصل

یہ ہے کہ یہ جدّت رونق کی پیدا کی ہوئی نہیں کہ اُنھوں نے ساحرہ کی زبان سے فارسی کا ایک شعر برمحل پڑھوا دیا ۔ اصل میں بات یوں ہے کہ رجب علی بیگ سرور نے فسانۂ عجائب میں یہ شعر بڑے اچھے موقع پر بڑے لطف کے ساتھ استعمال کیا ہے ۔ تفصیل یہ ہے کہ جان عالم کو ساحرہ نے نقش سلیمانی دیا اور چلی گئی ۔ جان عالم نے ساحرہ کے جانے کے بعد اُس نقش کی تاثیر پڑھی تو لکھا تھا کہ کوئی شخص کسی ساحر کی قید میں ہو تو یہ اسم پڑھے اور نجات پائے، یا مکانِ طلسم میں پھنسا ہوا ہے، پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے ۔ شہزادہ بہت خوش ہوا ۔ اتنے میں جادو گرنی آ گئی، جان عالم نے نقش بازو پر باندھا اور جادوگرنی پر لعنت بھیجتا ہوا چلا ۔ اس موقع پر سرور لکھتے ہیں :

''یہ سنتے ہی روح قالب سے نکل گئی ۔ سمجھی پیچ پڑا ۔ جان عالم چل نکلا ۔ سحر سے روکنے لگی ۔ تاثیر نہ کی ۔ سر پیٹ کر کہا ۔ سعدی :

کس نیاموخت علمِ تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

رونق نے وہیں سے لیا اور شعر کو بھونڈی طرح استعمال کیا، یعنی سلیمانی تختی لینے کے بعد جان عالم نے ساحرہ کو ٹھوکر ماری —— یہی شعر، اسی موقع پر نظیر بیگ نے بھی استعمال کیا ہے اور اس لطف کو قائم رکھا ہے جو سرور کے یہاں ہے ۔ اُنھوں نے بات کو ذرا پھیلا کر اُس میں ڈرامائی کیفیت پیدا کی ہے ۔ ساحرہ نقش دے کر چلی جاتی ہے ۔ جان عالم اُس کے جانے کے بعد ''فراق'' والی فارسی

کی غزل گاتا ہے ، پھر دل میں سوچتا ہے کہ :

ہے سلیماں کی جب کہ تختی پاس
پھر مجھے کیوں ہو ساحرہ سے ہراس

اتنے میں ساحرہ آ جاتی ہے ۔ اس کے بعد کا حصّہ نظیر بیگ کے ڈرامے میں اس طرح لکھا گیا ہے :

[ساحرہ کا آنا]

ساحرہ : پیارے لولو، مزاج کیسا ہے ؟

جان عالم : چاہیے جس طرح سے ویسا ہے ۔

ساحرہ : آؤ تم کو گلے لگاؤں میں ۔

جان عالم : تجھ کو پاپوش اب دکھاؤں میں (جان عالم کا ساحرہ کو پاپوش دکھانا) ۔

ساحرہ : کرتے ہو پیارے کس طرح کی بات ۔

جان عالم : لے ، چلے ، ہم یہاں سے اے بد ذات !

ساحرہ : سونپتے ہو کسے مجھے اے یار ؟

جان عالم : سونپا ابلیس کو تجھے مردار ۔

[جان عالم کا جانے کے لیے قدم اٹھانا ، ساحرہ کا مانع آنا ، جان عالم کا جھڑک کر چلا جانا]

اس پر ساحرہ یہ شعر پڑھتی ہے :

کس نیاموخت علمِ تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

شعر سے پہلے جو منظر اور مکالمہ ہے اُس سے شعر میں یقیناً زیادہ لطف پیدا ہو جاتا ہے ۔ ایک اور مزے کی بات یہ ہے کہ جان عالم چلنے لگتا ہے تو ساحرہ سے کہتا ہے ''لے تجھے شیطان علیہ اللعن کو سونپا'' ۔ سرور کے ان الفاظ کو نظیر بیگ نے بڑی سادگی سے یوں ادا کیا ہے کہ اصل کے زور میں کمی نہیں آئی ''سونپا ابلیس کو تجھے مُردار'' ۔

نظیر بیگ کے متن میں فسانۂ عجائب کے اصل متن کا ایک شعر اور بھی ایک خاص موقع پر استعمال ہوا ہے ۔ جان عالم سفر ہی کے شروع میں ایک حوض کے کنارے جا کر بیٹھتا ہے ۔ پانی میں اُسے انجمن آرا کا عکس نظر آیا ۔ عکس نے اُسے اندر آنے کی دعوت دی اور جان عالم حوض میں کود پڑا ۔ کودتے وقت اُس نے یہ شعر پڑھا تھا :

کودا کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہو گا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہو گا

نظیر بیگ کے ڈرامے میں بھی جان عالم حوض میں کودنے سے پہلے ایک مسدس (تحت اللفظ) پڑھتا ہے ۔ اُس مسدس میں ٹیپ کا شعر ''کودا'' والا شعر ہے ۔

طالب کے فسانۂ عجائب کی جو تفصیل نامی صاحب کی کتاب (اُردو تھیٹر جلد دوم ، ص ۱۱۰) میں بیان ہوئی ہے اُس میں طالب نے دیباچے کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں :

''عموماً ناٹک باعتبار مضامین دو طرح پر ہے ۔ ایک وہ جس کا لطف پڑھنے سے حاصل ہو اور کھیلا نہ جا سکے

... دوسرے وہ جس کا لطف کھیل سے حاصل ہو - میں نے
اپنے ناٹکوں کو ایسا لکھا ہے کہ دونوں طرح سے مزا
آئے ، اس لیے بجائے طوطے کے جو اصل قصہ میں ہے ،
ہم نے ایک خواجہ سرا رکھا - اس ناٹک میں جو گانے
کی چیزیں ہیں اوپر راگنی و تال و طرز لکھے ہیں - ان کے
علاوہ جو ابیات وغیرہ ہیں وہ تحت اللفظ ہیں -"

اس بیان میں تین باتیں توجہ طلب ہیں - ایک طوطے کے بجائے خواجہ سرا کے لانے کا ذکر ، دوسرے گانے کی چیزوں میں راگنی ، تال ، طرز کا لانا اور تیسرے ابیات کو تحت اللفظ میں پڑھنا - پہلی بات تو رونق کے ڈرامے میں بھی موجود بتائی گئی ہے - دوسری اور تیسری بات ایسی ہے جو نظیر بیگ کے ڈرامے میں بھی ملتی ہے - اس کا ذکر ذرا آگے چل کر کیا جائے گا -

ظریف کے ڈراموں میں جس فسانۂ عجائب کا ذکر ہے اسے چار ایکٹ اور بائیس سین کا منظوم ڈراما بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا نصف حصہ نثر میں ہے - نظیر بیگ کے ڈرامے میں تین ایکٹ ہیں اور کل ۱۷ سین ، یوں گویا یہ ڈراما ظریف کے ڈرامے سے بالکل مختلف ہے -

حافظ عبداللہ والے فسانۂ عجائب کا نام ان کے ڈراموں کی فہرست میں تو موجود ہے ، لیکن اس کی دوسری تفصیلات موجود نہیں ہیں ، لیکن جو کچھ نظیر بیگ نے اپنے فسانۂ عجائب کے متعلق لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ڈرامے میں زیادہ تر اپنے استاد کا اثر قبول کیا ہے ، جنھوں نے اپنی عام

روش اور طریقِ کار کے مطابق یقیناً رونق اور طالب کے ڈراموں سے یا ان میں سے کسی ایک کے ڈرامے سے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا اور اس لیے نظیر بیگ کے فسانۂ عجائب کے فنی پہلوؤں پر جو بحث ہوگی اس کا اطلاق بڑی حد تک حافظ عبداللہ کے فسانۂ عجائب پر بھی ہو سکتا ہے۔

مرزا نظیر بیگ نے اپنے ''فسانۂ عجائب'' کو ''فسانۂ عجائب ناٹک'' کہا ہے۔ 'ناٹک' کا لفظ انیسویں صدی کے ڈراما نگاروں نے عموماً منظوم ڈراموں کے لیے استعمال کیا ہے۔ ڈرامے کے مصنّفوں نے ایسے ڈراموں کے لیے شروع شروع میں اوپیرا[1] کا لفظ استعمال کیا اور آگے چل کر اس کے بجائے ''غنائیہ'' استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ زیرِ بحث ڈراما یا ناٹک غنائیہ ہے۔ اس میں نثر (جو کہیں کہیں مکالموں میں آئی ہے) بہت ہی کم ہے، شاید اس سے بھی کم جتنی 'اِندر سبھا' میں تھی۔ ایک مختصر سی نثر پہلے باب کے پہلے منظر میں آتی ہے۔ ماہ طلعت خواجہ سرا پر خفا ہوتے وقت یہ نثر بولتی ہے اور خواجہ سرا اس کا جواب دیتا ہے:

ماہ طلعت: او گستاخ، موذی، موئے حبشی، ہم کو یوں ستاتا ہے
فقرے کڑے۔ تو گھورے میں زندہ کا زندہ گڑے،
تیری چھاتی پر آ کے شیطاں چڑھے۔

[ماہ طلعت کا جوتیاں لگانا، خواجہ سرا کا شور و غل مچانا]

خواجہ سرا: ہائے اللہ میری جان گئی۔ للہ یہاں آؤ کوئی، مجھ پر
جوتی پڑنے لگی، پیٹھ کی دھول اب جھڑنے لگی،
ہائے موا میں، ہائے موا، نہ مارو بوا نہ مارو بوا،

۱- opera -

پاؤں میں پڑتا ہوں چھوڑو ، جوتیوں سے میرا نہ
سر پھوڑو -

[جانِ عالم کا آ کر خواجہ سرا کو بچانا]

او شہزادے مجھ کو بچا ، ہاتھ سے بیگم جی کے چھڑا

بس ! یہ نثر یہاں ختم ہو جاتی ہے - لیکن دیکھیے کہ ڈراما نگار نے اس میں قافیہ کتنے التزام کے ساتھ استعمال کیا ہے ، بلکہ "ایک جگہ تو نثر کے فقرے ایسی شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ ممکن ہے ان کے ادا کرتے وقت طبلہ بجایا گیا ہو ، مثلاً ہائے موا میں ، ہائے موا . . ."

اسی طرح کی ایک چھوٹی سی نثر دوسرے باب کے چھٹے پردے میں آئی ہے -

اس کے علاوہ ناٹک میں جتنے مکالمے ہیں ان میں سے کئی مصرعوں میں ہیں ، کہیں ایک ایک شعر میں اور کہیں ایک سے زیادہ شعروں میں - مصرعوں والے مکالمے پہلے ہی باب سے شروع ہو جاتے ہیں اور ان میں بالکل بات چیت کا بے تکلف انداز ہے - ماہ طلعت پہلے باب کے پہلے پردے میں کرسی پر جلوہ فرما ہے - خواجہ سرا دست بستہ کھڑا ہے ، خواصیں مشاطگی کی خدمت میں مصروف ہیں - اسی حالت میں وہ ایک غزل ماہ طلعت کے روئے انور کی تعریف میں گاتی ہیں - اس پر ماہ طلعت ان سے پوچھتی ہے کہ :

کہو سچ ذرا تم خدا کی قسم
کوئی مجھ سا دیکھا ہے تم نے صنم

اس پر خواصیں اور خواجہ سرا بولتے ہیں :

پہلی خواص : جہاں میں نہیں کوئی تم سا حسیں

دوسری خواص : نہیں تم سی دنیا میں اک نازنیں

خواجہ سرا : ہیں اس سے تو بہتر ہزاروں نہیں

پہلی خواص : تو یکتائے عالم ہے زہرہ جبیں

دوسری خواص : کوئی دہر میں ثانی تیرا نہیں

خواجہ سرا : ہے اس جھوٹ کا بھی ٹھکانا کہیں

کچھ دیر اسی طرح جاری رہ کر مکالمہ غزلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ پہلے ماہ طلعت غزل کے انداز میں دو شعر گاتی ہے ، پھر خواجہ سرا دو شعر گاتا ہے ، پھر ماہ طلعت گاتی ہے ، پھر خواجہ سرا گاتا ہے ۔ ان چاروں غزلوں کے ردیف قافیے الگ الگ ہیں ، لیکن بحر سب کی ایک ہے اور ڈراما نگار نے ان کے گانے کے لیے دھن ، تال اور طرز کی نشان دہی کی ہے ــ دھن کلیان ، تال چاچر اور طرز ''ہماری نہ لے آبرو اے پلید ۔''

اس کے بعد مکالمہ اشعار میں شروع ہوتا ہے ۔ ڈراما نگار نے ان اشعار پر ''ابیات'' کا عنوان قائم کیا ہے اور انھیں تحت اللفظ میں ادا کرنے کی ہدایت کی ہے ۔ (زیر نظر متن میں ''ابیات'' اور ''تحت اللفظ'' وغیرہ کے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں) تحت اللفظ کا یہ مکالمہ دیر تک جاری رہتا ہے اور جان عالم ، ماہ طلعت اور خواجہ سرا اس میں حصہ لیتے ہیں ۔ کوئی کردار ایک شعر بولتا ہے ، کوئی دو اور کوئی تین ۔ اس بات کا انحصار اس پر ہے کہ ان میں سے ہر ایک ،

کو کیا بات کہنی ہے اور وہ بات کس حد تک مختصر یا طویل ہے ۔ ابواب کے دوران میں ایک جگہ مصرعوں سے بھی کام چلا لیا گیا ہے ، ایک کردار نے ایک مصرعہ کہا اور دوسرے نے اسی قافیے میں دوسرا کہہ کر شعر پورا کر دیا ۔

دوسرے باب میں سب گانے ہی گانے ہیں ۔ ان میں چار غزلیں ہیں ، تین مسدس ہیں ، تین ٹھمریاں ، ایک رباعی اور ایک لاؤنی ۔ ان میں سے ہر ایک کی دھن ، تال اور طرز اس کے ساتھ درج ہے ۔ میں علی الترتیب یہ تفصیلات ذیل میں لکھتا ہوں تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ ڈراما نگار نے گانوں میں تنوّع کا کتنا زیادہ خیال رکھا ہے :

غزل ۱ : دھن جھنجوٹی ، تال پستو ،

طرز : کسی کا دردِ دل ظالم دری بیداد کیا جانے

غزل ۲ : دھن ضلع ، پیلو ، تال پستو ،

طرز : نہ جز آئینے کے ثانی ترا کوئی نظر آیا

غزل ۳ : دھن بھیرویں ، تال پستو ،

طرز : ترا ثانی اگر کوئی بشر ہووے تو میں جانوں

غزل ۴ : دھن ضلع ، تال دادرا ،

طرز : چھوڑیں گے بے وفا سے نہ اہلِ وفا عوض

مسدس اور رباعی کو تحت اللفظ میں بولنے کی ہدایت کی گئی

ہے ، البتہ ٹھمریوں کی دھن ، تال اور طرز بتائی گئی ہے :

ٹھمری ۱ : دھن پیلو ، تال دادرا ،

طرز : چنو تم کلیاں سب البیلی

ٹھمری ۲ : دھن ضلع ، بہاگ ، تال دادرا ،

طرز : اچھے سیاں نا جیو ترسائیو ساری رات

ٹھمری ۳ : دھن اساوری ، تال چاچر ،

طرز : سیاں نے مو کو گروا لگا لینو رے

لاؤنی کی دھن پیلو ، تال قوالی اور طرز : کبھی وے حال . . .

غزلوں کے اسعار کی زبان عموماً صاف ستھری ہے ، ان میں اس طرح کی تعقیدیں بھی کم ہیں جیسی اس عہد کے بعض دوسرے ڈراما نگاروں کے ڈراموں میں اتنی کثرت سے ملتی ہیں کہ شعر کا سارا لطف ختم ہو جاتا ہے ۔ اشعار میں شوخی بھی ہے اور بعض اوقات تغزل کی چاشنی بھی ۔ غزل کا عام معیار وہی ہے جس کا رواج اِندر سبھا سے شروع ہوا ۔ گھٹیا قسم کے مضامینِ محبت اور الفاظ کے استعمال میں طرح طرح کی رعایتیں لا کر انھیں حل طلب معمہ بنانے کی کوشش اس طرزِ تغزل کی نمایاں خصوصیتیں ہیں اور یہ خصوصیتیں ظاہر ہے اس وجہ سے ہیں کہ اس عہد میں ڈرامے کے عام تماشائی کو اسی طرح کی شاعری میں مزا آتا تھا اور پنڈال میں بیٹھ کر وہ اسی طرح کے شعر سن کر لوٹ پوٹ ہو جاتا تھا ۔ ڈراما نگار میں اب تک اتنی خود اعتمادی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ

وہ عام مروجہ مذاق سے سرِ مو بھی انحراف کر سکے یا اس بات
اپنی فنی ذمہ داری سمجھے کہ تماشائی کے لیے دلچسپی کا سام
مہیا کرنے کے علاوہ اس کے ذوق کی اصلاح بھی اس کا ای
فرض ہے ۔

فسانۂ عجائب کے گیت بھی اس لحاظ سے غنیمت ہیں کہ
میں ہندی کے الفاظ کی بھرمار نہیں ۔ پھر یہ بھی ہے کہ گیتوں م
ہندی کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کے بجائے ایسے ہی لفظ استع
کیے گئے ہیں جو ڈرامے کے عام تماشائی یا گانے سے دلچسپی رکھنے و
عام آدمی کے کانوں میں پڑتے رہتے ہیں ۔

غزلوں اور گیتوں اور اس کے علاوہ تحت اللفظ پڑھے جا
والے اسعار کی ایک مشترک خصوصیت اور خوبی یہ ہے کہ وہ
ڈرامائی صورتِ حال کے مطابق ہوتے ہیں جہاں وہ پڑھے یا گ
گئے ہیں ۔ گانے بسا اوقات اس کردار کی ذہنی اور جذباتی کیفیت
بھی ہم آہنگ ہوتے ہیں جو انھیں گا رہا ہے ۔ ان دونوں باتوں
نتیجہ یہ ہے کہ اشعار ، خواہ وہ غزل کی صورت میں آئیں یا کہ
گیت کی شکل میں یا محض تحت اللفظ میں ادا کرنے کے لیے ، واقعے
کردار کے نقش کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا اہم کام
بھی کرتے ہیں کہ ان کی مدد سے کہانی برابر آگے بڑھتی رہتی ہے
اس طرح ڈرامے کا تماسائی ان گانوں میں دوہری دلچسپی محسو
کرتا ہے ، ایک گانے کے لطف و انبساط کے نقطۂ نظر سے اور دوسر
کہانی کے ارتقا کے نقطۂ نظر سے ۔

گانوں کی جس خصوصیت کا ذکر میں نے کیا اس سے ڈراما مرتب کرنے والے کو بھی بڑی سہولت ہوتی ہے ، کس طرح ؟ اس سوال کا جواب ذیل کی سطروں میں دیا گیا ہے ۔

ہمارے اسٹیج کے ناٹک اور ڈرامے ہمیشہ سے جس افراتفری کے عالم میں چھپتے رہے ہیں ان کا علم ڈرامے سے دلچسپی رکھنے والے ہر صاحبِ ذوق کو ہے ۔ پہلی بات تو یہ کہ جن ڈراما نگاروں کو ہم آج متقدمین یا متوسطین کہتے ہیں (بلکہ بعض متاخرین کو بھی اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے) ان کے ڈراموں کی لمبی لمبی فہرستیں تو ہمارے پاس ہیں لیکن ان کے سب ڈرامے پڑھ لینے کا دعویٰ کسی محقق کے لیے بھی آسان نہیں ۔ یہ ناٹک اور ڈرامے ہندوستان اور پاکستان کے ذاتی اور قومی کتب خانوں میں اس طرح بکھرے پڑے ہیں کہ اگر ان سب کا کہیں یکجا کر لینا ممکن بھی ہو جائے تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ جتنے ناٹک اور ڈرامے انیسویں صدی کے آخر تک بلکہ بیسویں صدی کے ابتدائی آٹھ دس برس تک کی مدت میں لکھے گئے وہ سب کے سب اس جمع شدہ ذخیرے میں موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی باتیں ہیں ۔ مثلاً ایک بات تو یہ ہے کہ بمبئی کے اسٹیج کے لیے جتنے ڈرامے لکھے گئے ان میں سے بہت سے اردو سے گجراتی میں منتقل ہوئے اور پھر گجراتی کا اثر قبول کر کے دوبارہ اردو میں آئے ۔ یہی صورت ان ڈراموں کے ساتھ پیش آئی جو پہلے گجراتی میں لکھے گئے اور پھر انھیں اردو میں منتقل کیا گیا ۔ ایسے ڈراموں میں

اکثر و بیشتر زبان کے ایسے قواعد کا استعمال ملتا ہے جو اردو کے
مروجہ قواعد سے مختلف ہے ۔ اس سلسلے کی دوسری اہم بات یہ ہے
کہ جو کتب فروش ان ناٹکوں اور ڈراموں کے متن چھاپتے تھے و
عموماً غلط سلط چھپا ہوا ہوتا تھا ۔ اسی غلط سلط متن کو جوں
توں کاتب کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور غلطی ایک متن سے
دوسرے متن میں منتقل ہو جاتی تھی اور یہ سلسلہ آیندہ چھپنے والی
سب اشاعتوں میں اسی غلط صورت میں جاری رہتا تھا ۔ تیسری بات
جو متون کی چھپائی سے تعلق رکھتی ہے یہ ہے کہ کتب فروش
کو اگر آسانی سے کسی ڈرامے کا متن نہ ملا تو وہ ایسے ایکٹروں
کو یکجا کر لیتا تھا جنھوں نے اس ڈرامے میں کوئی کردار ادا کیا
ہوتا تھا اور انھیں اپنے اپنے پارٹ زبانی یاد ہوتے تھے ۔ اسی زبانی
یادداشت کی مدد سے متن مرتب ہو جاتا تھا اور اس میں اس بات
کا قوی امکان تھا کہ کردار کے حافظے نے الفاظ کو صحیح صورت میں
محفوظ نہیں رکھا اور یوں حافظے کی مدد سے مرتب کیے ہوئے متن
میں ایسی غلطیاں داخل ہو گئیں جو مصنف کی فروگزاشت کے بجائے
حقیقت میں کردار کے حافظے کے نقص یا کوتاہی کا نتیجہ تھیں
آخری بات یہ کہ متقدمین اور متوسطین کی حد تک یہ رواج خاص
عام تھا کہ ایک ڈراما نگار دوسرے کے ڈرامے کو یا ایک کمپنی
والے دوسری کمپنی کے ڈرامے کو تھوڑے بہت تغیر کے بعد اپنا بنا
لیتے تھے اور اس تغیر و تبدل یا ہیرا پھیری میں متون کی صورتیں
مسخ ہوتی رہتی تھیں ، یہاں تک کہ اصل اور نقل کی تمیز مشکل
بن جاتی تھی ۔

قدیم ناٹک مرتّب کرتے وقت مرتّب کو اُسی صورت حال سے دو چار ہونا پڑتا ہے جو اوپر بیان کی ہوئی بہت سی باتوں کا نتیجہ ہے۔ اس صورت حال میں ترتیبِ متون کے نقطۂ نظر سے ایک اور بات کا اضافہ یوں ہو جاتا ہے کہ جن متون کو صحیح کر کے چھاپنا مقصود ہوتا ہے اُن میں سے اکثر کا صرف ایک متن سامنے ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں ایک متن سے زیادہ متن موجود ہوں تو وہ ایک دوسرے کی نقل ہونے کی بنا پر ایک سی اغلاط سے در ہوتے ہیں۔ ترتیبِ متن کی اِس بنیادی دشواری کا نتیجہ یہ ہے کہ مرتب کو بسا اوقات تصحیح میں قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ فسانۂ عجائب کے زیر ترتیب متن میں بھی یہی صورت پیش آئی۔ بعض اوقات تو تصحیح آسان تھی اس لیے کہ غلطیاں اُسی نوعیت کی تھیں جیسی ہمارے نثر اور نظم کے متون میں (خصوصیت سے نظم کے متون میں) ہمیشہ موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً میرا ، مرا ، تیرا ، ترا کی اور اِک ، یک ، اور ایک کی کتابت میں ، ن میں نقطہ لگانے یا اُسے نون غنہ رکھنے کے معاملے میں ، شہ کو شاہ ، مہ کو ماہ ، شہزادے ، شہزادی کو شاہ زادے یا شاہ زادی یا اس کے بر خلاف شاہ کو شہ اور ماہ کو مہ وغیرہ لکھنے کے سلسلے میں کاتب موزوں و غیر موزوں کے اِحساس سے بے نیاز ہو کر جو روش چاہیں اختیار کرتے ہیں اور اس طرح اشعار اور مصرعے نا موزوں ہو جاتے ہیں۔ موجودہ متن میں بھی اس طرح کی بے شمار غلطیاں تھیں۔ وہ بغیر کسی دقت کے درست ہو گئیں ، البتہ بعض جگہ قیاس کا سہارا لینا ضروری تھا ، سو لیا گیا۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلے باب کے پہلے پردے میں خواجہ سرا ، ماہ طلعت اور جان عالم کی گفتگو میں تین مصرعے اِس شکل میں چھپے ہیں :

(۱) خدا را خطا میری کیجیے معاف ۔

(۲) کہا میں نے اب تک تمھیں صاف صاف ۔

(۳) جو کہتا ہے یہاں کہہ دے صاف صاف ۔

ڈرامے میں یہ گفتگو اس موقع پر ہو رہی ہے جب ماہ طلعت اور خواجہ سرا میں تلخ اور ترش باتیں ہو رہی ہیں اور اس دوران میں جان عالم بھی آ جاتا ہے ۔ پہلے دو مصرعے ایک ہی شعر کے ہیں اور خواجہ سرا کی زبان سے ادا ہوئے ہیں ۔ مصرعوں کی بحر ہے ”فعولن فعولن فعولن فعول“ اس اعتبار سے پہلے مصرعے میں میں نے ”کیجیے کو کیجے“ کر دیا ۔ دوسرے مصرعے میں ”تمھیں“ بالکل مہمل معلوم ہوا اس لیے اسے بدل کر ”ہیں“ کر دیا گیا ۔ تیسرے مصرعے نے کچھ دیر الجھن میں رکھا ، لیکن جلدی یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ کتابت کے وقت ”یہاں“ اور ”کہہ دے“ کی ترتیب آپس میں بدل گئی ہے ۔ مصرعہ یوں ہونا چاہیے تھا : ع

جو کہتا ہے کہہ دے یہاں صاف صاف

مصرعے میں یہ تبدیلی پیدا ہو گئی تو ڈرامائی صورت حال کے تقاضے کی بنا پر یہ ضروری معلوم ہوا کہ یہ بات ، جو جان عالم کی زبان سے ادا ہوئی ہے ، کسی قدر غصے کے ساتھ کہی جائے ۔ اس مقصد کے حصول کے لیے میں نے ”کہتا ہے“ کو ”کہنا ہے“ کر

دیا اور مصرعہ یوں ہو گیا :

جو کہنا ہے کہہ دے یہاں صاف صاف

اس طرح مصرعہ موزوں ہو گیا اور اس میں جو زور پیدا ہونا ضروری تھا ، وہ بھی پیدا ہو گیا ، لیکن ایک خلش اب بھی باقی تھی ۔ مصرعے میں ''یہاں'' محض بھرتی کا معلوم ہوتا تھا ۔ اس عیب کو دور کرنے کے لیے مصرعے کو دو طرح بدلا جا سکتا تھا :

جو کہنا ہے کر دے بیاں صاف صاف

یا

جو کرنا ہے کر دے بیاں صاف صاف

لیکن یہ تبدیلی احتیاط کے خلاف ہوتی ، اس لیے کہ نظیر بیگ کی شاعری میں اس طرح کی غلطیاں بہت سی ہیں اور اس ایک غلطی سے اُن کے فنی مقام اور مرتبے میں کوئی کمی نہیں آتی ، اسی مصرعے کو اُس صورت میں قائم رکھا گیا جیسا کہ اب ہے ۔

یہ مثال میں نے یہ بات ظاہر کرنے کے لیے پیش کی ہے کہ قیاس سے کام لیتے ہوئے بھی تصحیح میں احتیاط کو ہر صورت ملحوظ رکھا گیا ہے اور قیاس کی مدد سے تصحیح صرف اُسی حد تک کی گئی ہے جتنی قارئین کے لیے بھی قابل قبول ہو ۔ متن میں اس طرح کی تصحیح کرنے کی ضرورت بار بار پیش آئی ہے اور ہر جگہ یہ بات پیش نظر رہی ہے کہ کس طرح کی غلطیاں ہیں جن کا ذمہ دار صرف کاتب ہی کو ٹھہرایا جا سکتا ہے اور کون سی ایسی ہیں ، جن کا

نظیر بیگ سے سرزد ہونا عین قرین قیاس ہے ، اس لیے کہ اس نوعیت کی غلطیاں ہمیں اُن کے دوسرے ڈراموں میں بھی جابجا ملتی ہیں ۔ تصحیح کی اِس محتاط روش کے بعد اُمید ہے کہ فسانۂ عجائب کا زیر اشاعت متن صحت سے زیادہ قریب ہوگا ۔

سمن آباد ، لاہور — **وقار عظیم**

۳ مئی ۱۹۷۲ع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فسانۂ عجائب ناٹک

معروف بہ

جان عالم و انجمن آرا

مؤلفہ

جناب مرزا نظیر بیگ صاحب متخلص بہ نظیر

متوطن شہر آگرہ

ڈائرکٹر دی پارسی جوبلی تھیٹریکل کمپنی آف بمبئی

شاگرد خاص

جناب حافظ محمد عبداللہ صاحب متخلص بہ حافظ

بانی دی انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف فتح پور ہسوا

حسب فرمائش جناب شیریں جان صاحبہ ایکٹریس دی پارسی جوبلی کمپنی و جناب محمد وزیر خاں صاحب منیجر دی مون آف انڈیا تھیٹریکل کمپنی

مطبع الٰہی آگرہ میں باہتمام محمد مجھو خاں و محمد حسین خاں چھپا

بار بستم ۱۰۰۰ جلد ۔ ماہ اپریل ۱۹۱۲ع ۔ قیمت فی جلد ۴ آنے

دیباچہ

حمد و نعت کے بعد بندۂ حقیر مرزا نظیر بیگ متخلص بہ نظیر بن مرزا اشرف بیگ مرحوم و مغفور متوطن شہر آگرہ محلہ زین خانہ ایکٹر انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی شایقینِ حکایاتِ غریب و ناظرینِ قصصِ عجیب کی خدمتِ والا درجت میں التماس کرتا ہے کہ کمپنی مذکورہ شہر آگرہ میں اول مرتبہ بہ ماہ دسمبر ۱۸۸۲ع آئی تو اس نے شایقینِ معنی آگاہ و ناظرینِ مہرنگاہ سے اپنی ہنرمندی کی داد پائی ۔ مجھ کو تماشے دیکھنے کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ تاریخ ۱۵ دسمبر ۱۸۸۲ع کو بزمرۂ ملازمان کمپنی مذکورہ داخل ہوگیا ۔ جب سے برابر ایکٹری پر مقرر ہوں اور بالفعل اس کمپنی کے سب میڈل ایکٹروں میں اول نمبر ہوں ۔ چونکہ میرے آقائے نامدار جناب حافظ عبداللہ صاحب زمیندار متخلص بہ حافظ رئیس چتورا پروپرائٹر کمپنی ہذا کو شعر و سخن سے کمال ذوق ہے اور تصنیف و تالیفِ کتبِ ناٹک کا نہایت شوق ہے لہذا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں بھی کوئی ناٹک بطرز جدید ترتیب دوں اور اس کو اس دار ناپائیدار میں اپنا یادگار چھوڑوں ۔

نظر برآں میں نے یہ ناٹک ماہ جون ۱۸۸۸ع و مقام شہر فرخ آباد میں ، بہ اعانت آقائے ممدوح واسطے استعمال خاص انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی کے ترتیب دے کر اس کو بنام

فسانۂ عجائب ناٹک معروف بہ جان عالم و انجمن آرا موسوم کیا اور معہ حملہ حقوق کمپنی مذکورہ کے نذر کر دیا ۔ اکثر چیزیں دیگر شعرا کی طبع زاد لی ہیں جو بعد ضروری ترمیم کے اس میں داخل ہیں ۔

اس ناٹک میں ہر ایک چیز کی دُھن تال کو فن موسیقی کے اعتبار سے قائم کیا ہے اور کسی ایسی مشہور و معروف چیز کے حوالے سے ، جو اکثر اسی دُھن تال میں گائی جاتی ہے ، اس کا طرز بھی جتا دیا ہے ۔ کیونکہ خاص اوپیرا ناٹک میں اسی راگ یا راگنی کا استعمال ہوتا ہے جو متکلم کی حالتِ موجودہ کے موافق و مناسب حال ہوتا ہے ۔ مگر عام چیزوں کی دُھن میں لحاظِ وقت ضرور ہے ، ورنہ ایکٹر کا قصور ہے ۔

میں نے اس ناٹک میں ان خاص پردوں کے نمبر ترتیب کو حسن سے موقع ناٹک دکھلائے جاتے ہیں ، بلحاظ اسٹیج قائم کر دیا ہے اور ان کا شمار ڈراپ سین کی طرف سے کیا ہے ۔ ان کے قائم کر دینے سے یہ بہت بڑا فائدہ ہے کہ اثنائے تماشہ میں ایسا وقفہ نہیں ہوتا جو بے فائدہ ہے ۔

میری یہ بھی عرض ہے کہ اگر کوئی صاحب اس کتاب میں کسی قسم کا سہو یا کچھ غلطی پائیں تو براہ نوازش مؤلف کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح عمل میں آئے اور وہ نقص رفع ہو جائے ۔

مرزا نظیر بیگ مؤلف

مقام شہر فرخ آباد

۲۲ جون ۱۸۸۸ع

اصطلاحات ناٹک

یعنی

چند الفاظ انگریزی کے معنی جو اس کتاب میں مستعمل ہیں :

ایکٹ	:	ناٹک کا ایک باب ۔
سین	:	ایک ایکٹ کا وہ حصہ جس کے واقعات مندرجہ ایک وقت اور ایک مقام پر ظہور میں آئیں ۔
ایکٹر	:	تماشہ کرنے والا ۔
اسٹیج	:	تماشہ کرنے کا مقام ۔
انٹر	:	کسی خاص ایکٹر کا اسٹیج میں داخل ہونا ۔
ایگزٹ	:	کسی خاص ایکٹر کا اسٹیج میں سے چلا جانا ۔
ڈراپ سین	:	وہ پردہ جو ہر ایکٹ کے اختتام پر گرتا ہے ۔

تختہ ناٹک

پارٹ

مرد[1]

فیروز بخت : والیِ قسمت آباد ، پائے تخت ختن ۔

صاحب قران : والیِ ملک زر نگار ۔

شہپال : افسرِ جادوگراں ۔

جان عالم : شاہزادہ ، پسرِ فیروز بخت ۔

میمون خصال : وزیر زادہ ، پسرِ وزیر فیروز بخت ۔

خواجہ سرا : داروغہ محل جان عالم ۔

درباری : اہلِ دربار فیروز بخت ۔

عورتیں[1]

ماہ طلعت : شاہ زادی ، زوجۂ جان عالم ۔

انجمن آرا : شاہ زادی ، زوجۂ صاحب قران ۔

ملکۂ مہرنگار : دخترِ ناکتخدا پیر مرد سلطان تارک السلطنت ۔

۱۔ اصل میں اس جگہ مذکر ، مونث لکھا تھا ۔ مرتب

ساحرہ : دخترِ شہپال ۔

سوسن : خواصِ اول ماہ طلعت ۔

گلابہ : خواصِ دوم ماہ طلعت ۔

شبّو : خواصِ اول ملکہ مہرنگار ۔

نرگس : خواصِ دوم ملکہ مہر نگار ۔

اہل کار ، چوبدار ، خواصیں وغیرہم ۔

مقامات : شہر قسمت آباد ، پائے تخت ملک ختن ، ملک زر نگار ، کوہ قاف ۔

باب پہلا

پردہ پہلا

محل ماہ طلعت

(پردہ نمبر ۶)

[ماہ طلعت کا کرسی پر جلوس فرمانا اور خواجہ سرا کا
دست بستہ ایستادہ نظر آنا ۔ خواصوں کا خدمتِ
آئینہ و شانہ بجا لانا]

خواصیں : غزل[1]

روے انور سے فروغِ آفتاب اچھا نہیں
عنبریں گیسو سے تیرے مشک ناب اچھا نہیں
اس میں سرخی اس میں زردی مثل روے عاشقاں
مہر سے اس رخ کو ہرگز انتساب اچھا نہیں
سامنے اس لعل لب کے کیا حقیقت لعل کی
روبرو ان دانتوں کے دُرِ خوش آب اچھا نہیں

ماہ طلعت : [2]مجھے دیکھ کے سر سے لے تا قدم
کہو سچ ذرا تم خدا کی قسم
کوئی مجھ سا دیکھا ہے تم نے صنم

۱۔ دھن صاف ، تال پشتو ۔ طرز : ”جلوہ عارض اگر زیرِ نقاب آیا تو کیا ۔“
۲۔ دھن کلیان ، تال چاچر ۔ طرز : ”تو رشکِ پری غیرتِ حور ہے ۔“

پہلی خواص : جہاں میں نہیں کوئی تم سا حسیں

دوسری خواص : نہیں تم سی دنیا میں اک نازنیں

خواجہ سرا : ہیں اس سے تو بہتر ہزاروں نہیں

پہلی خواص : تو یکتائے عالم ہے زہرہ جبیں

دوسری خواص : دوئی دہر میں ثانی تیرا نہیں

خواجہ سرا : ہے اس جھوٹ کا بھی ٹھکانہ کہیں؟

پہلی خواص : حضور آپ بے شک ہیں یکتائے دہر

دوسری خواص : حضور آپ ہیں حسن و خوبی کی بحر

خواجہ سرا : خدا کا ترے جھوٹ پر ٹوٹے قہر

پہلی خواص : ہوا تم عجب اک طرح دار ہو

دوسری خواص : ہوا تم حسینوں کی سردار ہو

خواجہ سرا : مگر سچ حسینوں کی بیزار ہو

پہلی خواص : کلی ہے دہن پھول رخسار ہیں

دوسری خواص : حضور آپ تو رشک گلزار ہیں

خواجہ سرا : یہ سچ غیرت دشت پُرخار ہیں

غزلیات[1]

ماہ طلعت : بیاں مجھ سے کر تو یہ خواجہ سرا
کہ مجھ سا حسیں کوئی ہے دوسرا ؟
بہت کی ہے تو نے زمانے کی سیر
پرکھ سکتا ہے خوب کھوٹا کھرا

خواجہ سرا : نہ یہ پوچھیے مجھ سے اے ملکہ بات
حقیقت میں ہیں آپ عالی صفات
جسے کہتے ہیں وحدہ لاشریک
وہ شاید جہاں میں تمھاری ہے ذات

ماہ طلعت : تمسخر کے مجھ سے نہ کر تو کلام
ہنسی کا نہیں وقت یہ بد لگام
مری بات کا جلد تو دے جواب
ترا کام اب ورنہ ہوگا تمام

خواجہ سرا : اُلجھتی ہو کیوں ، تم تو ہو لاجواب[2]
حسینوں میں دنیا کے ہو انتخاب
کہو بس تو بس ورنہ یہ بھی کہوں
کہ ہو رشکِ مہ ، غیرتِ آفتاب
جو اس خوبی سے بھی زیادہ ہو خوب
معاذ اللہ ، ہوگی جناب

۱- دھن کلیاں ۔ تال چاچر ۔ طرز : ''ہماری نہ لے آبرو اے پلید ۔''
۲- اصل میں اس جگہ لاریب تھا ، میں نے بدل کر لاجواب کیا ۔ (وقار)

ماہ طلعت : یہ بیہودہ کرتا ہے کیوں گفتگو
نہیں جانتا مرتبہ میرا تُو ؟
تجھے جان عالم پہ ہے ادّعا
سن اے احمق اس کو سمجھتی ہوں کیا

خواجہ سرا : میں بندہ ہوں اس کا ، وہ آقا مرا
نہ کیوں اس پہ ہو مجھ کو پھر ادّعا
ملا تم کو قسمت سے ہے وہ بُوا
جو یہ آج درجہ تمہارا ہوا
کدھر دھیان ہے آؤ کچھ ہوش میں
ہے تم سا تو حسن اس کی پاپوش میں

ماہ طلعت : او گستاخ موذی موے حبسی !
ہمیں یوں سناتا ہے فقرے کڑے
تو کھوڑے میں زندہ کا زندہ گڑے
تیری چھاتی پر آ کے شیطاں چڑھے

[ماہ طلعت کا جوتیاں لگانا ، خواجہ سرا
کا شور و غل مچانا]

خواجہ سرا : ہائے اللہ میری جان گئی ۔ للہ یہاں آؤ کوئی ، مجھ پر جوتی پڑنے لگی ۔ پیٹھ کی دھول اب جھڑنے لگی ۔ ہائے موا میں ہائے موا ، نہ مارو بوا نہ مارو بوا ۔ پاؤں میں پڑتا ہوں چھوڑو ، جوتیوں سے

میرا نہ سر پھوڑو -

[جان عالم کا آن کر[۱] خواجہ سرا کو بچانا]

او شہزادے ! مجھ کو بچا ، ہاتھ سے بیگم جی کے چھڑا -

جانِ عالم : خفا اس پہ کیوں ہو تم اے جانِ من
یہ ایسا تو ہرگز نہیں بد چلن

ماہ طلعت : یہ گستاخ ہے ، بے ادب ، بد شعار
کیا منہ چڑھا کر اسے تم نے خوار
نہ لے لوں گی جب تک کہ میں اس کا جی
کلیجے میں ٹھنڈک نہ ہوگی کبھی

جانِ عالم : بھلا مجھ سے بھی تو کرو ماجرا
قصور ایسا کیا سخت اس سے ہوا

ماہ طلعت : کروں کیا بیاں تم سے اے جانِ جاں
کیا تھا سنگھار آج میں نے یہاں
پسند آیا جو مجھ کو اپنا جمال
تو میں نے ہر اِک سے کیا یہ سوال
کہ مجھ سا ہے کوئی قریب و بعید ؟
تو سب نے کہا دید ہے نہ شنید

۱- اس 'آن کر' کو کتابت کی غلطی سمجھ کر بدلنے کا ارادہ تھا ، لیکن آگے چل کر پتا چلا کہ ہر جگہ 'آ کر' کے بجائے مصنّف نے ''آن کر'' ہی لکھا ہے اس لیے ہر جگہ یہی صورت برقرار رکھی گئی - (وقار)

لگا کہنے تب یہ مخنّث مُوا
کیا ہے جسے تم نے خواجہ سرا
کہ ناحق تمھیں حسن کا جوش ہے
حسینوں کی تم سی تو پاپوش ہے

جان عالم : معاذ اللہ! بیگم یہ ہے بے شعور
اجی چشم بد دور، ہیں آپ حُور

خواجہ سرا : اجی حور نو آن یہ قربان جائے
جو راجہ کے من بھائے رانی کہلائے

ماہ طلعت : بتائے گا مجھ سی نہ یہ نازنیں
تو زندہ اسے چھوڑنے کی نہیں

خواجہ سرا : خدا را خطا میری کیجیے معاف
کہا میں نے اب تک نہیں صاف صاف
نہ خوبوں کی خوبی میں رکھوں جو فرق
پسینے میں سیرت سے ہوئیں[1] یہ غرق

ماہ طلعت : کیا پھر شروع اس نے لاف و گزاف

جان عالم : جو کہنا ہے کہہ دے یہاں صاف صاف

خواجہ سرا : میں قربان اے شاہ عالی وقار
ولایت ہے مشرق میں اِک زرنگار

۱- ہوویں کے بجائے 'ہوئیں' - (وقار)

وہاں انجمن آرا شہزادی ہے
سدا رنج سے اس کو آزادی ہے
کہوں کیا وہ کیسی ہے رشک قمر
کہ یہ شاہ زادی ہماری اگر
کنیزوں کا اس کی نظارہ کرے
تو پھر آتشِ رشک سے جل مرے

ماہ طلعت : ہے نگوڑی کون وہ صدقے مری پیزار کے
پیچ میں آئے جو میری کاکل خم دار کے
شرم غارت کر دے اِن کوڑوں سے اُس کو مار کے
پاؤں میرے حومے وہ بازیِ خوبی ہار کے
ماہ رخسار اُس کے تو عارض مرے خورشید ہیں
اُس کے ابرو ماہ نو ، میرے ہلال عید ہیں

خواجہ سرا : واری جاؤں کیوں نہ ہوگی صدقے وہ پیزار پر
آپ کو ہے ناز اپنی کاکلِ خم دار پر
کیوں نہ غیرت اس کو اِن کوڑوں کی آئے مار پر
ہوگا کب دل اُس کا مائل جیت پر یا ہار پر
وہ مہِ نو ہے نہ اے ملکہ ہلالِ عید ہے
لیکن اتنا جانتا ہوں ، غیرتِ خورشید ہے

ماہ طلعت : جان عالم دیکھی یہ منہ زوری اس منہ زور کی
اس کو روکو ، راہ دیکھے گا نہیں یہ گور کی

جان عالم : انجمن آرا کو تُو نے ان سے جو بہتر کہا
کیا دلیل اس کی ہے تیرے پاس اے حبشی بتا

ماہ طلعت : ورنہ تیری جان لوں گی یا کہ دوں گی اپنی جان
جلد اُس خیلا کی خوبی کا دکھا کوئی نشان

خواجہ سرا : بے دلیل اتنا نہ تم سے بڑھ کے میں کرتا کلام
دیکھ کر تصویر یہ ، غیرت کو اب فرماؤ کام

[خواجہ سرا کا تصویر نکال کر ماہ طلعت و جان عالم
کو دکھانا ۔ جان عالم کا سکتے کی حالت میں تکتے رہ
جانا ۔ ماہ طلعت کا متعجب ہو کر منہ لٹکانا ۔
خواجہ سرا کا تمسخر سے ماہ طلعت کا سا منہ بنانا]

باب

پردہ دوسرا

دیوان خانہ

(پردہ نمبر ۳)

[میموں خصال کا جان عالم کی شکایت[1] کرتے آنا]

ون خصال : **غزل[2]**

وفا کا دور اٹھّا ، دور آیا بے وفائی کا
مزا کچھ اس زمانے میں نہیں ہے آشنائی کا
میں عاشق ماہ طلعت کا اور اُس کو جان عالم لے
دیا شہزادے نے مجھ کو عوض یہ جان فدائی کا
وفا سے کچھ نہیں حاصل ، جفا پر ہی میں ہوں مائل
بظاہر مہر ، باطن قصد رکھوں کج ادائی کا
یہی تشویش ہے مجھ کو کہ ماروں جان عالم کو
سبب تا ماہ طلعت سے بنے کچھ کتخدائی کا

[جان عالم کا مع خواجہ سرا آن کر میموں خصال
سے بغل گیر ہونا]

اصل میں سکایت جان عالم تھا ۔
. دھن جھنجوٹی ، تال پشتو ۔
طرز : ''کسی کا درد دل ظالم تری بیداد کیا جانے ۔''

جان عالم : **غزل**[1]

طبیعت اس بتِ بے پیر پر بندے کی آئی ہے
تصدق جس کی صورت پر خدا کی سب خدائی ہے
صف آرا فوج مژگاں ہے، نگہ کے تیر چلتے ہیں
یہ اک بیچارہ دل اور اس پہ دیکھو کیا چڑھائی ہے
نہ رکھوں آبرو کی چاہ، ہوں سب سے کنارے میں
کہ بحرِ حسن سے کرنی مجھے اب آشنائی ہے
چڑھا کر مجھ سے ابرو کس لیے بیٹھا ہے او قاتل
کھنچی جو تیغ تیری میں نے بھی گردن جھکائی ہے

میموں خصال :

اس قدر کیوں اے برادر تو بھلا غم خوار ہے
سب جہاں کے خوبوں سے اچھی تری دلدار ہے
بس پہ ملنا اس پری سے ہی اگر درکار ہے
تو برے ہمراہ بندہ چلنے کو تیّار ہے
جانِ عالم جانتا ہے تو وفاداری مری
بہتری سمجھوں جو ہو باعث برے خواری مری

جان عالم : کیا عشق ہے بلا یہ کوئی جانتا نہیں
اس روگ کو حکیم بھی پہچانتا نہیں
سچ ہے کہ بے قراری مصیبت میں ہے بڑی
میں مانتا ہوں پر مرا دل مانتا نہیں

۱- دھن صلع پیلو، تال پشتو -
طرز : ''نہ جر آئینے کے ثانی برا کوئی نظر آیا -''

اجہ سرا : واری میں تجھ پہ جاؤں ، نہ اتنا ہو بے قرار
ملتی ہے چند روز میں تجھ کو وہ گل عذار
میں آنسو پونچھتا ہوں تو روتا ہے زار زار
شہزادے ! راہ عشق میں ہمت نہ اپنی ہار
کیا غم ہے ساتھ جب ترے مجھ سا دلیر ہو
بھاگے گا میری چیخ سے ، کیسا ہی شیر ہو

ن عالم : گانا[1]

من بھائی مجھ کو نہیں چین دم بھر
نہیں چین دم بھر ، نہیں چین دم بھر ـــ من . . .
وصل کا ارمان لے گا میری جان
پاؤں نہ جو اس کو ، دل آیا جس پر ـــ من . . .
ڈھونڈنے اس کو جاتا ہوں میں تو
ساتھی ہو میرا تو بھی تو بہتر ـــ من . . .

[جان عالم کا جانے کے لیے قدم اٹھانا ، ماہ طلعت کا
داخل ہو کر اس کو ٹھہرانا]

طلعت : گانا[2]

یہ کیا دل میں اے جان عالم سمائی
طبیعت جو تصویر پر تیری آئی

۱ـ ٹھمری ـ دھن پیلو ، تال دادرا ـ
طرز : "چنو تم کلیاں سب البیلی ـ"
۲ـ ٹھمری ـ دھن ضلع بھاگ ـ تال پنجابی ٹھیکہ ـ
طرز : "اچھے میاں نا جیو ترسائیو ساری رات ـ"

نہیں کوئی بھی اس شباہت کی عورت
مصوّر نے ہے یہ تو فرضی بنائی
نہ بالوں پہ جا اس موئے حبشی کی تو
یہ مردود کرتا ہے جھوٹی بڑائی
میں پچھتائی ہوں آپ اپنے کیے پر
کہ ناحق کو کد میں نے اتنی بڑھائی
میں مر جاؤں گی ہجر میں تیرے پیارے
گوارا نہیں ہو سکے گی جدائی

جان عالم: **گانا**[1]

مجھے تیری صورت نہیں بھاتی ہے
ہائے اس شکل کا ہوں میں بندہ — مجھے . . .
جاتا ہوں میں جستجو میں اب اس کی
مرے پیچھے ناحق تو کیوں آتی ہے — مجھے . . .
مجھے تیری صورت سے اب ہے نفرت
تو منہ کالا کیوں اپنا دکھلاتی ہے — مجھے . . .
نہ مجھ سے لپٹ ، چھوڑ دامن ، پرے ہٹ
زبردستی کیوں مجھ کو ٹھیراتی ہے — مجھے . . .

[جان عالم کا ماہ طلعت سے دامن چھڑا کر جانا ،
ماہ طلعت کا پچھاڑ کھانا]

۱- ٹھمری - دھن آساوری ، تال جاجر - طرز : ''سیاں نے موکو گروا لگائے لینو رے -''

ن خصال : (خود بخود)

کیوں کر کروں خدا کا نہ شکر و سپاس میں
گھر بیٹھے پا رہا ہوں دلا اپنی آس میں
جاتا ہوں اس کے ساتھ تو اب ہو کے بد حواس
پر اس کے خوں سے اپنی بجھاؤں گا پیاس میں
مر جائے وہ تو اس سے کروں میں نکاح آج
اس کو تو سب حسینوں کا میں جانتا ہوں تاج

[میموں خصال کا جانا]

جہ سرا : لگی بھرنے آہیں یہ کیا سرد سرد
ہوا سرخ سے رنگ چہرے کا زرد
پڑی اڑ کے آئینۂ رخ پہ گرد
کہ فرماتے ہیں سعدئ نیک مرد
تکبّر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

[خواجہ سرا کا جانا ، ماہ طلعت کا ہوش میں آنا]

طلعت : غزل[1]

ہمارا بخت سویا ، بخت ہے بیدار غیروں کا
جو اپنا یار تھا وہ اب ہوا ہے یار غیروں کا
تری اے بلبل اب اس باغ میں توقیر ہو کیسے
ہے مالی غیر کا ، گل غیر کے ، گلزار غیروں کا

---

[1] دھن ، بھیرویں ۔ تال پشتو ۔ طرز : ''بری ثانی اگر کوئی نشر ہووے تو میں جانوں''

نہ کیوں غیرت کے مارے میں کنویں میں ڈوب کر دوں جاں
لگا دم بھرنے وہ یوسف سرِ بازار غیروں کا
مجھے ہر گام پر زندہ کرے کیوں اب وہ ٹھکرا کر
مسیحا تھا جو اپنا وہ ہوا بیمار غیروں کا

[شاہ فیروز کا مع درباریوں کے آنا]

گانا[1]

فیروز بخت : اے ماہ طلعت جان عالم کدھر گیا ہے آج
کیسا ہے فرزند کا مرے بیٹی کہو مزاج

ماہ طلعت : شہزادہ ہوا اور یہ عاشق میرا گیا اب راج
لٹ گئی میں کم بخت تو والد لو یہ میرا تاج

[ماہ طلعت کا ٹوپی اور اوڑھنی پھینک دینا]

فیروز بخت : کر تو تحمل اے میری ستی ہوگا نہ یہ زنہار
سمجھاؤں گا اس کو میں کیوں ہوتی (ہے) غمخوار

ماہ طلعت : وہ تو روانہ ہو گئے صاحب کس کو منائیں آپ
لازم ہے یہی اب تو میری قبر بنائیں آپ

فیروز بخت : اے لوگو تم ڈھونڈو میرا کدھر گیا ہے لال
وہ جو ہوا گم تو یہ سمجھو شاہی ہوئی پامال

[فیروز بخت کا اہل کاروں کے ہمراہ بے قرار جانا]

۱۔ لاونی ۔ دھن پیلو ، تال قوالی ۔ طرز : ''کبھی وے حال''

ماہ طلعت : **غزل**[1]

اک بار تو نے تو مجھے اے یار دی طلاق
پر میں نے سارے عیش کو سو بار دی طلاق
دولت تجھے طلاق ہے ، حشمت تجھے طلاق
سو جا تجھے بھی قسمت بیدار دی طلاق
دنیائے بےوفا نے کسی سے وفا نہ کی
اس کو تو میں نے جان کے مردار دی طلاق
لیتی ہوں جوگ آج میں دوری سے یار کی
ملنے تک اس کے تجھ کو اے سنگھار دی طلاق

۱۔ دھن ضلع ، تال دادرا ۔ طرز : ''چھوڑیں گے بےوفا سے نہ اہل وفا عوض''

باب پہلا

پردہ تیسرا

صحرائے جادو

(پردہ نمبر ۱۷)

[ساحرہ کا حوض سے باہر نکل آنا]

ساحرہ: جان عالم شاہ زادہ آیا تھا بہرِ شکار
دیکھ کر اس کو لگی ہے عشق کی میرے کٹار
عشق میں اب انجمن آرا کے ہو کر بے قرار
سنتی ہوں ان روزوں جاتا ہے وہ ملکِ زرنگار
اس لیے جادو کا میں نے حوض یہ بنوایا ہے
اس میں جو کودا تو بے شک وہ مرے گھر آیا ہے
ایک بندر سحر کا چھوڑا ہے میں نے راہ پر
گھیر کر لائے گا وہ شہزادے کو اس حاہ پر
جان و دل سے مبتلا ہے وہ جو رشکِ ماہ پر
مر مٹے گا بے شک اُس کی صورتِ دل خواہ پر
اُس کی صورت حوض میں جادو سے میں دکھلاتی ہوں
قبضہ اس حیلے سے اُس پر کیسا دیکھو پاتی ہوں

[ساحرہ کا حوض میں غرق ہونا ، بندر کو آن کر حوض میں ڈبکی مارنا ، جان عالم کا آن کر بندر کو حوض میں جاتے ہوئے دیکھ کر حیراں ہونا]

ن عالم : نہیں ماجرا ایسا دیکھا کبھی
وہ بندر تو غائب ہوا کرتے ہی

[جان عالم کا حوض میں دیکھنا اور اُس میں انجمن آرا
کا نظر آنا ، حوض میں سے ساحرہ کا
انجمن آرا کی طرح پکارنا]

حرہ : اے مرے عاشق میں ہوں تجھ پر نثار
روز و شب تھا مجھ کو تیرا انتظار
چاہ میں جو چاہتا ہے آبرو
کود اس میں ، کر نہ ہرگز دیر تُو

ن عالم :

ہے کون یہ بت آہ کیا جس نے مجھے رام
چھوڑے ہے کڑی مکھڑے پہ کیا زلفِ سیہ فام
اے انجمن آرا مری دلدار گل اندام
مشتاق تھا بس تیرا ہی یہ عاشقِ نا کام
کودا ترے گھر میں کوئی یوں دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

[جان عالم کا حوض میں کود کر غوطہ کھانا ، جنگل کا
محل کی صورت میں بدل جانا]

پردہ چوتھا

محل

(پردہ نمبر ۷)

[جانِ عالم کا سکتے کی حالت میں حیران آنا]

جانِ عالم : **غزل**[1]

میں سخت طلسمات سے حیران ہوا ہوں
پانی میں گرا داخلِ ایوان ہوا ہوں
پر مجھ کو جو دلبر نظر آئی وہ کہاں ہے
دیکھ اس کی میں زلفوں کو پریشان ہوا ہوں
اس بت سے ملا دے مجھے اب جلد خدایا
میں حسن کے لیے تارکِ ایمان ہوا ہوں

[ساحرہ کا آنا]

ساحرہ : **گانا**[2]

ذرا دیکھ ادھر بھی تجھ پر بَل بَل جاؤں
تری آتش فرقت سے میں جل جل جاؤں

۱- دھن دیس ، تال دادرا - طرز : ''دے اتنی اجازت کہ ترے سر کی بلا لوں -''

۲- لاونی - دھن دربنس ، تال قوالی - طرز : ''گل چمن میں بجھو چھپا بڑا زہری ہے''

تو کرنے شکار جو آیا تھا اے پیارے
لگے تیروں سے مرے دل میں تیرے نظارے
اے ابرو کہاں دل و جاں مجھ پر تو نثارے
مرے سینے میں جلتی آگ اسے تو بجھا رے
ہوں موم سے بھی نرم نہ کیوں گل جاؤں
تری آتش فرقت سے میں جل جل جاؤں

جان عالم : کیوں پڑتی گلے ہے میں نہیں تیرا جانی
مری انجمن آرا کی دے مجھے تو نشانی
جب آئی نظر مجھے حوض میں اس کی صورت
کہوں کیا تھی کیسی چاند مرے کی مورت
نہ تھی مطلق بھی اس آئینہ رو میں کدورت
ہوا دیکھ کے بے خود کیسی تھی مہورت
میں نے اس کے لیے کھینچی یہ حیرانی
مری انجمن آرا کی دے مجھے تو نشانی

ساحرہ : کون ہے انجمن آرا وہ مری سوت اے جاں
سن کے نام اس کا ہوئی جاتی ہوں میں فوت اے جاں
چھوڑو دھیان اس کا ، جگہ دو مجھے دل میں اپنے
ورنہ سچ کہتی ہوں آئے گی مجھے موت اے جاں

جان عالم : موت جب تک کہ تجھے آئے گی بیباک نہیں
کبھی ہوئے گا نجاست سے جہاں پاک نہیں
ہمسری کرتی ہے (تو) انجمن آرا کی چڑیل
خاک سے ہوتی کبھی نسبت افلاک نہیں

ساحرہ : **غزل**[1]

ابھی چھوڑ دے گا تو انکار میرا
ہوا نام جب تجھ پہ اظہار میرا
میں شہپال ساحر کی دختر ہوں پیارے
ہر اک سحر ہے قہر جبّار میرا
ابھی انجمن آرا کو یاں پر بلا کر
جلا دوں یہ اک ادنٰی ہے کار میرا
تجھے سوچنے کی میں دیتی ہوں مہلت
سمجھ بوجھ کر جلد ہو یار میرا

[ساحرہ کا جانا]

جانِ عالم :

بہت تشویش میں ہوں ، ہے یہ کیسی میرے سر مشکل
کہ اس قحبہ کو چاہوں میں تو ہے پھر عمر بھر مشکل
نہ چاہوں میں جو اب اس کو تو ہے معشوق پر مشکل
اُدھر دیکھوں اُدھر مشکل ، اِدھر دیکھوں اِدھر مشکل
یہی بہتر ہے جو مشکل ہو مشکل ہو وہ سر اپنے
مگر آرام سے بیٹھے وہ دلبر میری گھر اپنے

[ساحرہ کا آنا]

ساحرہ : ذرا تو دیکھ منہ میرا کوئی ایسا حسیں ہوگا
یہ سچ کہہ خوبصورت مجھ سا عالم میں کہیں ہوگا ؟

۱- **دھن** ضلع ترہنس ۔ تال جاچر ۔
طرز : ”کہو پھینک کر تاج سلطاں ہمارا“ ۔

میسّر تجھ کو قسمت سے ہی مجھ سا مہ جبیں ہوگا
تجھے منظور پھر بھی وصل میرا جو نہیں ہوگا
تو لا کر انجمن آرا کو قصّہ پاک کرتی ہوں
ترے آگے جلا کر اس کو میں اب خاک کرتی ہوں

ن عالم :

تمھاری کیا سمجھ ہے عقل سے ہو دور تم کتنی
کوئی دل سے مرے پوچھے کہ ہو منظور تم کتنی
ملے معشوق تم سا ، مجھ سا عاشق چھوڑ دے اس کو
ابھی ہو کم سن و نادان ، رشکِ حور تم کتنی

حرہ : میں رشک حور اور تم غیرتِ غلمان اے جانی
فدا مجھ پر ہو تم ، تم پر ہوں میں قربان اے جانی
تمھارے بوسے میں لوں اور تم بھی مرے بوسے لو
ہوا کیا خوب ہے یہ وصل کا سامان اے جانی

[ساحرہ کا لشنے کے لیے ہاتھ بڑھانا ، جانِ عالم کا
انکار جتانا]

ن عالم : خدا کے واسطے منہ کر تو کالا
ہوا بیزار میں ، شیطاں کی خالہ !

حرہ : مرا تو ہو گیا ہے یار جانی
تجھے دیتی ہوں میں اب اک نشانی
وہ ہے اک نقش ایسا ، میرے پیارے
کہ تابع جس کے جادوگر ہیں سارے

[ساحرہ کا نقش نکال کر دینا]

ہر اک خانے میں ہے اک علم لکھا
بیاں اس کا کروں میں تجھ سے کیا کیا
ہے پہلا علم جو یہ سیمیا کا
ہے درجہ اس سے تو کم کیمیا کا
پڑا بے جاں کسی کا بھی ہو قالب
اسے جو زندہ کرنے کا ہو طالب
تو جاں لے جائے اپنی اس کے اندر
وہ قالب جی اٹھے گا اسم پڑھ کر
لیے اب جاتے ہیں ہرگز تو نہ کھا غم
ذرا سی دیر میں پھر آئیں گے ہم

[ساحرہ کا بوسہ لے کر جانا]

جانِ عالم : غزل[۱]

بہارِ عمر فرو رفت در خزانِ فراق
کسے مباد چو من زار و ناتوانِ فراق
چو عندلیب ز شوقِ گلِ رخت ہر دم
ہزار گونہ دہم شرحِ داستانِ فراق
چو لالہ داغ دل و اشک سرخ، چہرہ زرد
قضا بنامِ من آورد ایں نشانِ فراق
لباسِ صبر چو گل پارہ پارہ شد چکنم
ز حد گزشت بسے مدتِ زمانِ فراق

۱۔ دھن ضلع کافی ، دل دادرا ۔ طرز : ''چمن میں آ کے کوئی دم کو جو صبا ٹھہرے۔''

جان عالم : قید میں میں عبث ہوں یاں اے دل
اب رہائی سو کچھ نہیں مشکل
ہے سلیماں کی جب کہ تختی پاس
پھر مجھے کیوں ہو ساحرہ سے ہراس

[ساحرہ کا آنا]

ساحرہ : پیارے بولو مزاج کیسا ہے؟
جان عالم : چاہیے جس طرح سے ویسا ہے
ساحرہ : آؤ تم کو گلے لگاؤں میں
جان عالم : تجھ کو پابوس اب دکھاؤں میں

[جان عالم کا ساحرہ کو پابوس دکھانا]

ساحرہ : کرتے ہو پیارے کس طرح کی بات
جان عالم : لے چلے ہم یہاں سے اے بدذات
ساحرہ : سونپے ہو کسے مجھے اے یار؟
جان عالم : سونپا ابلیس کو تجھے مردار

[جان عالم کا جانے کے لیے قدم اُٹھانا ۔ ساحرہ کا مانع آنا ، جان عالم کا جھڑک کر چلا جانا]

ساحرہ : کس نیاموخت علمِ تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد
دیکھوں ہوتا ہے کیسے وہ جانبر
اپنے والد سے کہتی ہوں جا کر

[ساحرہ کا غضبناک ہو کر جانا]

پردہ پانچواں

جنگل

(پردہ نمبر ۱)

[ماہ طلعت کا جوگن کے لباس میں آنا]

ماہ طلعت : مرثیہ[۱]

دو آس کا دتا اے لوگو مجھے ، دم جس کے لیے مرا جاتا ہے
گیا کون سے باغ میں گل میرا ، جو ڈھونڈے نہیں ہاتھ آتا ہے
کرتی فغاں میں جاؤں کہاں ، نہیں کوئی رستہ بتاتا ہے
سر پٹک کے میں مر جاؤں یہاں ، یہی رہ رہ جی میں آتا ہے
تن خاک ملی اور سُکھ کو تجا ، نہیں پھر بھی اُسے رحم آتا ہے
سُکھ چھوڑ دیا اور جوگ لیا ، لطف اب بھی نہیں فرماتا ہے
بستی سے نکل جنگل میں گئی ، تسکین نہیں دل پاتا ہے
اے وائے ستم ، وہ میرا صنم ، کیوں غیر سے دل کو لگاتا ہے

۱۔ دھن جوگیا اساوری ، تال قوالی ۔ طرز : ”سر پیٹ کے زینب کہتی تھی ۔“

چین آتا نہیں ، جی جاتا نہیں ، دل پہلو میں گھبراتا ہے
ایسی تو نہیں کی میں نے خطا ، کیوں دید کو (وہ) ترساتا ہے

[ماہ طاعت کا بیخود ہو کر گر جانا۔ میموں خصال کا آنا]

میموں خصال : گیا خواجہ سرا پانی کو جب سے
نہ اب تک جا کے پلٹا کس سبب سے

[ماہ طلعت کو دیکھ کر چونکنا]

یہ سوتی ہے پری رو کون جوگن
کہ گویا ہے زمیں پر چاند روشن

[بغور دیکھ کر]

ہے یہ تو ماہ طلعت ، میری دلبر
مرا گھر بیٹھے مقصد آیا ہے بر
کروں الفت میں اپنی اس سے اظہار
یقیں ہے اب کرے گی یہ نہ انکار

[ماہ طلعت کا ہوش میں آکر میموں حصال کو بغور دیکھنا]

میموں خصال : گانا[1]

کیا ہائے ملکہ یہ کیا تم نے حال
کہ سہتی ہو جنگل میں رنج و ملال

۱۔ مثنوی ۔ دھن ارہنس ۔ تال چاچر ۔ طرز : ''پلا ساقیا ساغر بے نظیر ۔''

جوانی کے دن اور یہ حسن و جمال
بھلا کرتی ناحق ہو کیوں پائمال

ماہ طلعت : ارے حسن و خوبی وہ کس کام کی
نہ چاہت ہو جس پر دل آرام کی
یہ میری جوانی ، یہ مجھ پر ملال
مجھے موت دے دے تو اے ذوالجلال

میمون خصال : یہ اُلفت کی اے شاہ زادی ہے زاہ
اسے چاہے جس کو کہ ہو اپنی چاہ
جُھکے اس سے جُھکیے ہے مشہور بات
رُکے اُس سے رکیے گا اے نیک ذات
اُسے ہم تو چاہیں وہ نفرت کرے
بلا اپنی پھر اُس سے اُلفت کرے

ماہ طلعت : مجھے اُس سے نفرت تو مشکل نہیں
مگر میرے قابو میں اب دل نہیں
جہاں گو حسینوں سے معمور ہے
مجھے جان عالم ہی منظور ہے
بتا وہ کہاں ہے ، وہاں جاؤں گی
جو روٹھا ہے تو میں منا لاؤں گی

میمون خصال : اری باولی کیا کہوں میں تجھے
وہ ظالم تو یہ کہہ گیا ہے مجھے
جو تجھ کو ملے ماہ طلعت کہیں
اُسے مارنا جان سے تو وہیں

ماہ طلعت : یہی کہہ گیا ہے جو وہ برملا
چلا تیغ تُو ، ہے یہ حاضر گلا
زیادہ مری اس سے کیا قدر ہو
کہ جی میرا اُس یار کی نذر ہو

میمون خصال : اگر اُس نے چھوڑا تجھے کیا ہے غم
بُجاری ہے عالم ترا اے صنم
نہ دیکھا اگر اندھے نے آفتاب
تو کم ہوتی ہرگز نہیں اُس کی تاب
لے پہلے تو میں ہی طلب گار ہوں
ترا جان و دل سے خریدار ہوں

[ماہ طلعت کا غصے میں آن کر کھڑی رہنا]

ماہ طلعت : نہ بے ہودہ بک مجھ سے اے بدخصال
نمک اپنے آقا کا کر تو حلال
میں بی‌بی ہوں اس کی ارے بدلگام
تو ادنٰی سے ادنٰی ہے جس کا غلام
تو حقِ نمک اے ستم گر سمجھ
پدر اُس کو اور مجھ کو مادر سمجھ

میمون خصال : نطفے سے جس کے پیدا ہوا وہ پدر مرا
مادر وہ سچی جس کے شکم میں گُہر مرا
جو شاہزادہ یار ہوا پیشتر مرا
اب حال پوچھتا بھی نہیں بے خبر مرا

وہ چھوڑ کر مجھے جو ترا آشنا ہوا
تو جان و دل سے میں بھی ہوں تجھ پر فدا ہوا

ساہ طلعت :

ہے اُس کو مری عزت و حرمت کا اختیار
تجھ سے زیادہ مجھ کو وہ کرتا ہے کیوں پیار
میں بی بی اُس کی ایک وہ ہے ایک میرا یار
تجھ سے ہیں اُس کے آشنا عالم میں سو ہزار
وہ میرا ، میں ہوں اُس کی ، وہ ہے تن میں جان ہوں
وہ گل ہے ، میں ہوں بُو ، وہ مکیں میں مکان ہوں

میموں خصال :

عزت کا تیری جب کہ اُسے اختیار تھا
تب غیر در سوائے ترے کب نثار تھا
گو لاکھ اُس پہ مرتے تھے وہ تیرا یار تھا
تیری ہی چاہ تھی سدا تیرا ہی پیار تھا
مرنا وہ اور در ہے تجھے اور چاہیے
جو اُس کا طور ہے وہ ترا طور چاہیے

ساہ طلعت :

تجھ کو ہی اے پلید مبارک رہے یہ طور
ہو دور ، ورنہ منہ سے سنے گا مرے کچھ اور
اے لعنتی جو پہلے سا اب ہوتا میرا دور
اس کہنے کی سزا تجھے کیا ہوتی کر تو غور
افسوس دم میں ہم سے وہ پیارا بگڑ گیا
بن کر نصیب ہائے ہمارا بگڑ گیا

میموں خصال :

بگڑا نصیب ہوں میں بنانے کے واسطے
حاضر ہوں تیرے ناز اٹھانے کے واسطے
آیا ہوں تجھ سے دل مَیں لگانے کے واسطے
آغوش وا ہے ترے سُلانے کے واسطے
چل میرے ساتھ ، ہوں ترے اوپر نثار میں
پہلے سے بڑھ کے تیرا کروں گا وقار میں

ماہ طلعت :

بی‌بی کو اپنے ساتھ تُو لے جا ، ارے پلید
جانے دے مجھ کو ، بہرخدا ، ہو پرے پلید

[ماہ طلعت کا گھونسا مار کر بھاگ جانا]

میموں خصال :

نافہمی سے تو مار گئی مجھ کو نابکار
اب ہاتھ سے مرے نہ رہا ہوگی بدشعار

[میموں خصال کا جانا]

باب پہلا

پردہ چھٹا

باغ ملکہ

(پردہ نمبر ۱۱)

[جان عالم کا بہ لباس گدایانہ تلاش یار میں آنا]

جان عالم : غزل[1]

بہ شوق کوچۂ آں بت ، نہ تنہا از وطن رفتم
ز دیں رفتم ز دل رفتم ز جاں رفتم ز تن رفتم
بہ ہر سو بہر جست و جوئے آں گل پیرہن رفتم
بصحرا گہ نہادم رو ، گہے سوئے چمن رفتم
ز دندان و لب و زلفت نظیرے را نظر ناید
بہ فکر ایں عدن رفتم ، یمن رفتم ، ختن رفتم
خیال کوچہ اش در جوش وحشت چوں بہ دل آمد
زکف بگزاشتم دامانِ صحرا ، در چمن رفتم
مرا در باغ آمد گریہ بے آں یاسمن پیکر
ز اشک آخر فرو در گل چو ساق یاسمن رفتم

۱۔ دھن سارنگ ۔ تال بریلوی ٹھیکہ ۔ طرز : ''مجھے اس دوست کا ہجر آہ اب ایسا ستاتا ہے ۔''

ز طرز عاشقی رفتم جدا و خود جدا از وے
نہ یارم پیش من آمد نہ پیش یار من رفتم

[مہر نگار کا مع سہیلیوں کے سیر کو آنا اور اُسے
جان عالم کا نظر آنا]

مہر نگار :

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے
کیا بدن کا رنگ ہے تہہ جس کی پیراہن پہ ہے

[جان عالم کا مہر نگار کو دیکھ کر متعجب ہونا]

جانِ عالم :

کیا بحر حسن کی ہے کمر پیچ و تاب میں
یہ پیچ و تاب کب ہے بھلا موج آب میں

[مہر نگار کا مع سہیلیوں (کے) جان عالم کے نزدیک آنا]

مثنوی[1]

مہر نگار : ہے ارے تو کون کیوں آیا یہاں ؟
کیا ہے تیرا نام ، رہتا ہے کہاں ؟
کون میرے باغ میں لایا تجھے ؟
خوف جی کا بھی نہ کچھ آیا تجھے
اور عالم میں نہ کیا تجھ کو ملی؟
کی جو میری لونڈیوں سے دل لگی

جان عالم : کام کیا اپنا کہوں ناکام ہوں
اور پوچھو نام تو گمنام ہوں

۱- دھن کلیان بھوپالی - تال پشتو - طرز : ''دیکھا ظالم تیری خُو اچھی نہیں -''

قیس ہوں ، مسکن بیاباں ہے مرا
ہو مبارک تجھ کو یہ گلشن ترا
نکلے ہیں ہم سلطنت پر خاک ڈال
یہ خواصیں تیری اور تو کیا ہے مال

پہلی خواص : کتنا ہے منہ زور یہ خانہ خراب
آپ سے گستاخی کرتا ہے جناب

دوسری خواص :
اہل کاروں کو یہاں بلوائیے
اس موئے کو قید میں بھجوائیے

جان عالم : بک رہی ہے تو یہ بے ایمان کیا
باپ کا تیرے کیا نقصان کیا
کون تیری زلف کے ہے دھیان میں
بھیجتی ہے تو کِسے زندان میں

مہر نگار : میں ہوں حاکم اس جگہ کی اے حضور
ہوش رکھ کر بات کیجیے گا ضرور
چھوڑ دیجیے یاں سے جانے کا خیال
ہے رہائی آپ کی اب تو محال

جان عالم : رکھیے گا اپنی حکومت اپنے گھر
حاکموں سے کیا فقیروں کو ہے ڈر
کوئی ہم کو قید کر سکتا نہیں
روکنے سے تیرے رکتے ہیں کہیں

پہلی خواص : ہے موئے کنگال کو کتنا غرور
کیوں تحمّل کرتی ہو اب اے حضور

دوسری خواص :
حکم گر دو مجھ کو اے صاحب جمال
مارے جوتوں کے اڑا دوں سر کے بال

جان عالم : مار حوتی اُس کو جا کر او چڑیل
جس نے تجھ سے عشق کا کھیلا ہو کھیل
تو تو ادنٰی لونڈی ہے اے بے ادب
تیری اس ملکہ پہ بھی میں تھوکوں کب

مہر نگار : بیچ میں کیوں کرتی ہو تک بک بھلا
اس کو ناحق کردیا تم نے خفا
ورنہ ہے یہ ماہرو شیریں کلام
فقرے کیا دلچسپ ہیں اس کے تمام

[خواصوں کا ایک طرف ہو جانا]

خیر صاحب اور بھی دو گالیاں
قند سے میٹھی ہیں ہم کو گالیاں
چلیے گا محفل میں میری شوق سے
ایک شب مہماں رہیے ذوق سے

جان عالم : میں ہوں مسکیں اور تم سردار ہو
میری مہمانی سے کیا حاصل کہو
ہوں گدا مجھ سے نہ تم اُلفت کرو
ہم نشیں و ہم دم اُمرا کی رہو

کیسے ہوں گھر آپ کے مہماں ہم
ہاں مگر ہیں لائقِ زنداں ہم

مہر نگار :
گھر تیرا میرے دل میں ہے، اسے جان سمجھ اسے
مہماں سرا سمجھ کہ تو زنداں سمجھ اسے

[خواصوں کا آپس میں باتیں کرنا]

پہلی خواص :
لو اے بوا یہاں تو یہ گُل اور کِھل گیا!
اس مردوے سے ملکہ کا اب دل ہی مل گیا!

دوسری خواص :
دیوانی سچ تو کہہ، مرے سر کی تجھے قسم
دیرِ جہاں میں ہوگا کوئی ایسا بھی صنم؟

مہر نگار : کچھ دیجیے حضور، مری بات کا جواب
خدمت میں دست بستہ کھڑی ہوں میں آنجناب

جانِ عالم : حاکم ہو حاکمی ہی میں اپنی اڑی رہو
کیوں دست بستہ آگے ہمارے کھڑی رہو
جوگی ہیں ہم تو، جس کی بدولت لیا ہے جوگ
جب تک نہ وہ ملے گا نہ تب تک مٹے گا سوگ

مہر نگار : ہم فدا تم پہ ہیں اور غیر کی ہے چاہ تمھیں
آج تک عشق کی معلوم نہیں راہ تمھیں
غیر کو چھوڑ کے دم ہم سے بھرو یاری کا
دیکھو پاؤ گے مزا ہم سے وفاداری کا

جان عالم : دے چکے ایک کو پہلے ہی سے ہم دل اپنا
نام مشہور ہے اس دیر میں بے دل اپنا

دی ہوئی شے بھلا کس طور سے واپس ہم لیں
یہ تو دستور نہیں حور شمایل اپنا

سہر نگار : کون ہے وہ ذرا اُس سے بھی خبردار کرو
جس پہ تم مرتے ہو نام اُس کا تو اظہار کرو
خوبصورت وہ اگر ہم سے زیادہ ہوگی
پھر تو زیبا ہے اگر ہم سے تم انکار کرو

جانِ عالم : انجمن آرا ہے نام اس کا میں جس پر ہوں فدا
دیرِ عالم میں ہے بے مثل صنم نام خدا
دیکھتا ہوں جو تصوّر میں وہ روئے زیبا
بے تحاشا یہ نکلتی ہے مرے دل سے صدا
جلوۂ حسن خداداد ذرا دکھلا دے
منکروں کو بھی صنم شانِ خدا دکھلا دے

سہر نگار : واقعی اچھّوں پر اچھے ہوتے ہیں جانی نثار
آپ کے لائق تو ہے بے شک وہی اے گل عذار
پر ملے گی کیا بہ آسانی تمھیں وہ نوبہار
انجمن آرا ہے شہزادیٔ ملک زرنگار
آدمی کیا واں فرشتوں کا بھی مشکل ہے گزار

جانِ عالم : میں بھی تو غوّاص ہوں وہ ہے دُرِ دریا اگر
بلبلِ شیدا ہوں میں وہ ہے گلِ یکتا اگر
واں بھی جاؤں گا مکاں ہو لامکاں اُس کا اگر
جستجو میں اُس کی میرا جی بھی جاوے گا اگر

ہر طرح سے ، ہر روش ،کوے صنم میں جاؤں گا
وہ عدم میں ہوگا تو ملکِ عدم میں جاؤں گا

[جانِ عالم کا جانا چاہنا ، مہرنگار کا
بہ منت و عاجزی روکنا]

گانا[1]

مہر نگار : گھر سے نہ جاؤ اب کہیں پیارے
بس رہو پاس ہمارے — گھر سے . . .
مرجھائیں گے دھوپ میں ہے ہے
پھول سے یہ رخسارے — گھر سے . .
کیسے رہوں گی ہائے میں گھر میں
تم جو سفر کو سدھارے — گھر سے . .
ہجر میں دن تو گزرے گا رو رو
شب کو گنوں گی تارے — گھر سے . .
صدمہ نہ دو تم ہجر کا مجھ کو
صدقے میں جاؤں تمھارے — گھر سے . .

جان عالم : گانا[2]
نہ کر اس قدر میری جاں اشک باری — نہ کر
بڑھتی ہماری ہے بے قراری
تیری یہ دیکھ آہ و زاری — نہ کر
جب تک ملوں انجمن آرا سے میں

۱- ٹھمری - دھن گوری ، تال پنجابی ٹھیکہ - طرز : ”گگری اتار لے گردھاری“
۲- پد - دھن درپنس ، تال چاچر - طرز : ”کیا ہے کرم تو نے اپنا خدایا“

تو صبر کر میری پیاری — نہ کر
میں اُس کو لا کر تجھ سے ملوں گا
لے اب ہے رخصت ہماری — نہ کر

[جان عالم کا زبردستی سے جانا ، مہرنگار کا غش کھانا ،
خواصوں کا حیرت میں آنا]

[پہلے باب کا اختتام پانا ، ڈراپ سین کا گرایا جانا]

باب دوسرا

پردہ پہلا

ہیبت ناک کوہ

(پردہ نمبر ۹)

[انجمن آرا کا خیمہ' شہپال میں بے قرار نظر آنا]

انجمن آرا : غزل[۱]

آئی بہار باغ میں بلبل قفس میں ہے
صیّاد بھی لیے چھری اپنی ہوس میں ہے
شہپال جادوگر مجھے لایا ہے یاں اٹھا
افسوس میری جان پڑی اس کے بس میں ہے
کہتا ہے موذی مجھ سے کہ کر آشنائی تو
اب آبرو مری یدِ فریاد رس میں ہے

[شہپال جادوگر کا آنا]

شہپال : پیاری قبول کر مجھے کیوں پیس و پس میں ہے
پھر قصرِ زرنگار میں چل کیوں قفس میں ہے
میں جس کو چاہوں کر دوں بس اک پل میں پائمال
جادو سے جان ہر ایک کی ، میرے ہی بس میں ہے

۱۔ دھن کلیان ، تال دادرا ۔ طرز : "دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں"

جاہ و جلال میرا ہے کتنا ، خیال کر
اپنے حساب تیرا پدر خار و خس میں ہے
تیری مدد کو کوئی بشر کیسے آ سکے
یاں کر سکے گزر ، نہیں طاقت مگس میں ہے

انجمن آرا : اصل دیکھ اپنی ، ارے تو قطرۂ ناپاک ہے
خاک سے پیدا ہوا ، آخر بھی ہونا خاک ہے
ہمسری اللہ سے کیوں تجھ کو اے بیباک ہے
اپنی ہستی کا تجھے کچھ فہم اور ادراک ہے
کون اے موذی جہاں میں زندۂ جاوید ہے
ہو گئی جو صبح تو کب شام کی امید ہے

شہپال : ہائے تو اب تک نہ سمجھی میری قدرت ، لے سمجھ
موت کرتی ہے سدا میری اطاعت ، لے سمجھ
کب ہے ملک الموت کو بھی مجھ سے طاقت ، لے سمجھ
جس کو چاہوں ایک پل میں کر دوں غارت ، لے سمجھ
فہم پر قبضہ مرا ، ادراک پر بھی حکم ہے
خاک کا حاکم ہوں میں ، افلاک پر بھی حکم ہے

انجمن آرا : دعوی بڑا ہی سا تھا فرعون بے ایمان کو
کیسا ظالم نے ستایا موسیٰ عمران کو
فخر کیا کم تجھ سے تھا شداد سے شیطان کو
جس نے دنیا میں بنایا روضۂ رضوان کو
پانی کے رستے ملا فرعون جا کر نار سے
پہنچا ہے شداد دوزخ میں رہ گلزار سے

شہپال : خیر جو کچھ ہونا ہے ہو، تو نہ اب تکرار کر
اے پری پیکر خوشی سے مجھ کو اپنا یار کر
ساتھ میرے ہم بغل ہو اور مجھ کو پیار کر
پھر حکومت پریوں اور جنّات پر ہر بار کر
میں سلیمانِ جہاں، بلقیسِ دوراں تو بنے
میں بنوں مہرِ درخشاں، ماہِ تاباں تو بنے

انجمن آرا : گانا[1]

دور دور او مغرور کالی صورت کے ہو دور
گرچہ ہو تو رشکِ حور مجھ کو نہیں ہے منظور
تابع نہ ہوں گی میں، تیرے بے ایمان
دے دوں جان میں اس آن اپنی اے شیطان

شہپال : سن اے محبہ در تو غور منہ سے بولی جو کچھ اور
مردے سا ہو تیرا طور عالم میں ہے میرا دور
مجھ کو اے نادان کہتی ہے شیطان
تیری جان لوں اس آن اے بے ایمان

[شہپال کا انجمن آرا کو مارنے کے لیے خنجر اُٹھانا۔
ساحرہ کا آن کر اُس کو بچانا]

ساحرہ : (شہپال سے) اے پدر! اس بے ادب کا قتل تو ہے واہیات۔

ساحرہ : (انجمن آرا سے) چل نکل، جا اری او بدصفات۔

[انجمن آرا کا جانا]

۱۔ انگریزی وزن۔ دھن بھوپالی، تال قوالی۔ طرز: ''ون ٹو نہری فور''

ایسی رشک حور کو کیوں مارتے ہو جان سے
سر نہ پھیرے گی یہ ہرگز آپ کے فرمان سے
پر جو میں کہتی ہوں پہلے آپ وہ اٹکل کریں
اس پہ جو عاشق ہوا ہے ، قید اُسے اول کریں
دیکھ کر وہ قید اُسے سن لے گی فرماں آپ کا
کام یہ مشکل اُسی دم ہوگا آساں آپ کا

شہپال : ایسا ہے تو قید کرنے میں اُسے پھر دیر کیا
ایک بکری کو پکڑ سکتا نہیں ہے شیر کیا
دیووں کو میں بھیجتا ہوں وہ اُسے لے آئیں گے
لامکاں پر بھی وہ ہوگا تو وہاں یہ جائیں گے

[جانا دونوں کا]

پردہ دوسرا

جنگل

(پردہ نمبر ۱)

[خواجہ سرا کا غم کرتے ہوئے داخل ہونا۔]

خواجہ سرا : **لاؤنی**[1]

کہیں ملا نہ جان عالم
بن بن بھٹکا اور سر بھی لٹکا
میرے ہونٹوں دم ہے اٹکا
کیسے کٹھن تھے وہ پچھلے رستے بھیجیں گے مستے
کبھی آ کے ہمیں وہ ڈستے
چلے جاتے اس دنیا سے مستے ، زمیں میں رہتے
روتے دوزخ میں یا خلد میں ہنستے

جھول

سونا سوریا مسان جاتے
دفن کرتے کوئی یا جلاتے

۱- دھن برج کالنگڑا ، تال قوالی ۔ طرز : ”میری کون سوکن میرے پیا ۔“

یا بھار سے کوئی لٹکاتے
تھا دم چٹ بٹ کا سر بھی لٹکا ، کرے ہونٹوں پہ

[ماہ طلعت کا دوڑتے ہوئے آن کر خواجہ سرا سے لپٹنا،
اور میمون خصال کا آن کر متحیّر کھڑا رہنا]

ماہ طلعت : **گانا**[1]

ارے بچا میمون خصال مجھ کو ستاتا ہے — ارے
پا کے اکیلی یہ تو حرامی
عشق اپنا مجھ سے بھی جتاتا ہے — ارے
میرے صنم کی کر کے برائی
دل کو میرے بہت ہی یہ دکھاتا ہے — ارے

[میمون خصال کا ماہ طلعت کے روبرو آنا اور دو زانو
ہو کر ماہ طلعت کے آگے سر جھکانا]

میمون خصال : **گانا**[2]

مرا جو ہو قصور ، بخشو حضور ،
میں تو غلام ، مرا جو ہو قصور
میں نے کی تھی آزمائش آپ کی آنجناب
کالا منہ ہو گر نیت ہو تم سے کچھ خراب — مرا
چلیے تم کو گھر تمھارے چھوڑ آئیں ہم
جنگلوں میں سہو ملکہ تم نہ رنج و الم — مرا

۱- دادرا - دھن ضلع ، تال دادرا - طرز : "سوبے بجانا ہری موری لاج لیت ہے ۔"
۲- گربی - دھن مانڈ ، تال دادرا - طرز : ''میرے پیارے کا ادھولا ۔''

خواجہ سرا : تمھیں ایسا ہُوا دکھ جو ہوا ہوں پانی میں موا — تمھیں
وارى جاؤں مجھ کو تم پر آتی ہے حیا
دلاسا کسے دیوے تم کو مجھ سا بے حیا — تمھیں
سیج پر جو سوئے بھولوں کی ہے نوبہار
ہائے اللہ پیروں میں چبھیں کیوں اُس کے خار — تمھیں
ہو سکھ تمھیں تو شادی کی کروں تلاش
چلیے گھر نہ کیجیے نالہ ایسا دل خراش — تمھیں

ماہ طلعت : گانا[1]

میرے جی کو ہو کیسے قرار
مجھے چھوڑ گیا میرا یار — مرے
سکھ اُن کو جن کی بسر ہو یار کے ساتھ میں رات
چھوڑ گیا مجھے یار مرا ، کیا سکھ ہو مجھے ہیہات — مرے
کان بیچ مندرا ، گلے میں سیلی گیروا ، اوڑھے ہوں کھیس
ملتا نہیں ہے جس کے لیے جوگن کا لیا بھیس — مرے
آتش ہجر سے پھنک گیا سب تن ، کیسے جی سکھ پائے
ہولی سا سب جسم جلا ہے ، اڑ گئی کھال بھی ہائے — مرے
جا کے بسا جس ملک میں دلبر ، جی کو ہے اُس کا دھیان
اب تو اُس سے جا کے ملوں ، یا دے دوں اپنی جان — مرے

[ماہ طلعت کا جانا ، اُس کے پیچھے خواجہ سرا
کا قدم بڑھانا]

---

۱ - ٹھمری - دھن ، بھیرویں ، تال پنجابی ٹھیکہ - طرز : "ناہیں جیا مور ٹھہرتا -"

میموں خصال :

اس فتنے کے سبب میں پُر ارمان رہ گیا
باقی اسی کے قتل کا سامان رہ گیا
یہ قتل اگر ہو تو ماہ طلعت کو آن میں
لے جاؤں قابو پا کے میں اپنے مکان میں
اس سے کہ شاہزادہ تو جیتا نہیں رہا
مجھ کو جہاں میں خوف کسی کا نہیں رہا

[میموں خصال کا جانا]

پردہ تیسرا

قلعۂ جادو

(پردہ نمبر ۸)

[جانِ عالم کا شاہانہ لباس میں آنا]

جانِ عالم : قلعہ یہ جادو کا آتا ہے نظر
یہ کسی ساحر کا شاید ہے ہنر
جس سے پائی فتح جادو گرنی پر
نقش وہ کام آئے گا اس جا مگر

[نقش نکال کر قلعہ کو دکھانا]

المدد یا ابن داؤد المدد
یا سلیماں شاہ مسعود المدد

[قلعے کا مہیب آواز سے نابود ہو جانا - شہپال کا غضب سے
تھراتے ہوئے جانِ عالم پر حملہ آور ہونا]

شہپال : نادان کہیں مجھ پہ بھی ہو سکتا ہے غالب
کیوں جان کے بیہودہ ہوا موت کا طالب
لڑنے کی ہے کب تجھ میں بتا مجھ سے بھلا تاب
تھراتے مرے نام سے ہیں رستم و سہراب

دہشت سے مری ساتوں فلک کانپ رہے ہیں
غصے سے مرے سارے ملک کانپ رہے ہیں
جانا تجھے دوزخ میں جو منظور ہے ناپاک
کر دیتاہوں لے تجھ کو جلا کر میں ابھی خاک

[شہپال کا حملہ آور ہونا ، مگر جانِ عالم کا نقش کی برکت سے قدم پیچھے دھرنا]

عالم : پہلے تجھے کرتا ہوں میں دوزخ کو روانہ
تو واں سے جو واپس ہو تو پھر مجھ کو جلانا

[نقش دکھانا]

لے دیکھ سلیماں نبی کی تو کرامت
چل بھاگ ، نہیں تو ابھی ہو جائے گا غارت

[نقش کی برکت سے شہپال کا فرار ہو جانا ۔ انجمن آرا کا دوڑے آن کر دو زانو ہو کر احسانِ جان عالم جتانا]

آرا : گانا[1]

مرحبا ! مرحبا ! صاحب نے بڑا کام کیا
فتح حاصل ہوئی ساحر پہ ، عجب نام کیا
دی مجھے قیدِ مصیبت سے رہائی تم نے
جان جاتی تھی مری ، آ کے بچائی تم نے
کون ہو تم ؟ اجی آئے ہو کہاں سے بولو ؟
کیوں ہو خاموش کھڑے کچھ تو زباں سے بولو

---

[1] شنوی ۔ دھن ضلع کلیان ، تال دادرا ۔ طرز : ”نام کیوں نکلا سلیماں کا ذہن سے تیرے ۔“

جانِ عالم : مجھ کو حیرت ہے کہوں تجھ سے میں کیا کام اپنا
پہلے اے آئینہ رو مجھ سے بتا نام اپنا
اور نسبت بھی بتا ، کیا ہے یہاں سے تجھ کو
جادوگر دیو اٹھا لایا کہاں سے تجھ کو

انجمن آرا : زرنگار ایک ولایت ہے یہاں سے کچھ دور
واں کے سلطان پدر میرے ہیں سن لیجے حضور
ہوں کنیز آپ کی ، ہے انجمن آرا مرا نام
ایک دن سیر کو ناگاہ تھی آئی لبِ بام
واں سے لے آیا تھا شہپال، اڑا کر مجھ کو
تم نے ممنون کیا ، اس سے چھڑا کر مجھ کو
پاس اب اپنے پدر کے تمھیں لے جاتی ہوں
مال و زر بدلے اس احسان کے دلواتی ہوں

جانِ عالم : مال و زر فضل سے خود گھر میں مرے کیا کم ہے
اے مری جان ! مرا باپ شہِ عالم ہے
سلطنت مال نہیں سمجھا ، تو کیا مال ہے مال
مجھ کو مرغوب ہر اک شے سے تمھارا ہے وصال
میں تمھارے لیے آوارہ وطن ہوں جانی
ورنہ شہزادۂ والیِ ختن ہوں جانی
جان عالم پئے نامم ، توئی جانِ عالم
بر فگن یک نظرِ لطف بحالِ زارم

انجمن آرا : ہوش میں آؤ ، نہ دیوانہ بنو اے صاحب !
پھر کبھی منہ سے نہ تم ایسا کہو، اے صاحب !

عشق کا ذکر مرے آگے کریں آپ نہیں
ورنہ زندہ نہیں چھوڑے گا ، مرا باپ تمھیں
ہم ابھی بچے ہیں ، کیا عشق سے ہے کام ہمیں
ہوتا معلوم برا ہے یہ موا نام ہمیں

جانِ عالم : ہوش ہی ہوتا تو کیوں ہوتے بیابانی ہم
سلطنت چھوڑ کے آتے نہیں اے جانی ہم
اور جی سے جو ڈراتی ہو تو جی حاضر ہے
یوں بھی تو مرنا ہی ، اک روز ہمیں آخر ہے
عشق میں میرے بھلا کیسے تمھیں آئے مزا
دیو کے وصل سے جب آپ کا دل پائے مزا

انجمن آرا : دیجیے منہ میں لگام ، آپ کی کیا باتیں ہیں
حق جو پوچھو تو یہ باتیں ہی نہیں لاتیں ہیں
دیو کیوں مجھ سے ہو واصل ، مُوا قربان گیا
کہیے تو آپ کا چرنے کو کدھر دھیان گیا
اُس کے جادو ہی سے ہوتی جو میں مجبور نہیں
آنکھ وہ مجھ سے اٹھانا اُسے مقدور نہیں

جانِ عالم : کہیے پھر مجھ سے ہے کیوں آپ کو انکار بھلا
میں بھی کیا اس کے ہی مانند ہوں خونخوار بھلا
چھوڑ کر شاہی تمھارے لیے آیا جانی
کس مصیبت سے تمھیں میں نے چھڑایا جانی

انجمن آرا : کہتے ہیں سچ کہ مزا آتا ہے جینے کا نہیں
لیوے احسان کبھی کوئی کمینے کا نہیں

بدلہ احسان کا چل دیتی ہوں گھر سے تجھ کو
لادے دیتی ہوں اب لال و گہر سے تجھ کو

جان عالم : پھر گھمنڈ اپنی حکومت کا دکھایا تم نے
اے شہِ حسن گدا مجھ کو بنایا تم نے
دالت ہیروں کے عوض آپ دکھایا کیجے
لعل کے بدلے لبِ لعل کا بوسہ دیجے

[جاں عالم کا جبراً بوسہ لینا ، انجمن آرا کا شرم سے
مسکرا کر منہ پھیرنا]

انجمن آرا : دور ہو دور ، ارے تجھ کو حیا ہے کہ نہیں
پوچھنے والا مجھے کوئی بھلا ہے کہ نہیں

جان عالم : مدتوں تشنۂ دیدار رہا اے جانی
اب میسر ہوا ہے آب بقا اے جانی

[جاں عالم کا پھر بوسہ لینا]

انجمن آرا : واہ جی واہ بڑے جوش میں آئے ہیں جناب
خوف کے مارے یہاں ہوتا ہے زہرہ مرا آب

[جانِ عالم کا انجمن آرا کو چمٹا لینا]

دیکھ لے جو کوئی تو جائے گی عزت میری
چھوڑو للہ مجھے ، لیجے نہ حرمت میری

جان عالم : بوسے لینے سے مرے تم جو خفا ہوتی ہو
جتنے بوسے لیے ہوں میں نے ، وہ واپس لے لو

انجمن آرا :

دیکھو صاحب ، جو میں کہتی ہوں اُسے سنیے آپ
مست ہو بےخودی میں ، تنکیے نہ یوں جنیے آپ
شادی جب تک نہ مری آپ سے ہو جائے حضور
تب تلک آپ کنارہ ہی کریں مجھ سے ضرور
لونڈی بھر آپ کی میں ہوں ، مرے سردار ہیں آپ
چلنے کو پاس مرے باپ کے تیّار ہیں آپ ؟

جانِ عالم :

لے چلو جس جگہ ، چلنے کو ہوں واں در راضی
جو رضا آپ کی ہے ، میں ہوں اُسی پر راضی

[جانا دونوں کا]

پردہ چوتھا

گھیرا جنگل

(پردہ نمبر ۲)

[شہپال کا ساحرہ کو کھینچتے ہوئے لانا]

شہپال : چھوڑوں تجھ کو اب نہ زندہ ، ماروں گا میں جان سے
بے حیا تُو نے کیا تھا عشق کیوں انسان سے
ادنٰی آدم زاد نے لی آ کے میری آبرو
کیوں سلیماں کی اُسے دی تختی تُو نے زشت خو
کہہ مزا کیا آیا تجھ کو اُلفتِ انسان میں
دیو ہاتھی سے نہ کیا ملتے تجھے دیوستان میں

ساحرہ: کیا کروں میں اے پدر ، بس عشق سے مجبور تھی
ورنہ خواری کب بھلا اپنی مجھے منظور تھی
ایک دن اس نے کیا ظاہر جو مجھ سے خوب پیار
چڑھ گیا مجھ پر شرابِ عشق کا جس دم خمار
بخش دی تختی سلیماں کی اُسے میں نے وہیں
جانتی تھی اُس کو میں چالاک ایسا تو نہیں

شہپال : جس سے شادی کی ہے تیری وہ تو میرا پیر تھا
کیا نہ دولھا بننے کے لائق تیرا ممدا پیر تھا

چھوڑ کر اُس کو ہوئی کیوں صدقے آدم زاد پر
کیا نہ تھا وہ خوب صورت ، یا نہیں تھا اہل زر

ساحرہ : اہل زر تو ہے مگر والد وہ کب ہے خوب رو
ہیں جہازی رسّوں سے تو بال اُس کے ہوبہو
سر بھی ماشاء اللہ اک گنبد ہے کوہستان کا

بھینسا سرسا پیٹ نقشہ سارا ہنومان کا
ہوں فدا میں جس پہ ، کتنا خوب رُو ہے وہ بشر
آفتاب آیا زمیں پر ، گویا اے والد آنر

شہپال : چھوڑ کر مرد اپنا جو ہو غیر پر عورت فدا
ایسی عورت کو زمانے سے کرے غارت خدا

ساحرہ : اپنی عورت کے سوا ، جو دوسروں کا یار ہو
مرد پر ایسے یہاں لعنت ، وہاں پھٹکار ہو

شہپال : کچھ بھی ہو پر انجمن آرا پہ ہوں گا میں فدا

ساحرہ : میں بھی جب تو جانِ عالم پر ہی صدقے ہوں سدا

شہپال : جا جہنّم میں ، مگر دے تو مری تختی مجھے

ساحرہ : کر اسے قابو میں ، دے دوں گی تری تختی تجھے

[جانا دونوں کا]

پردہ پانچواں

محل صاحب قِران

(پردہ نمبر ۴)

[صاحب قراں کا مع درباریوں کے جان عالم و انجمن آرا
کو رخصت کرتے نظر آنا]

گانا[1]

صاحب قران : جاؤ بیٹی سدھارو سدھارو
چین سے زندگی تم گزارو
آج تک گھر پدر کا سنوارا
اب سے شوہر کے گھر کو سنوارو

انجمن آرا : ابّا جان اپنا چھوڑ کے ہم گھر
غیر کے ساتھ جائیں گے کیوں کر
لاکھوں پلتے ہیں گھر میں تمھارے
میرا رکھنا کیا بار ہے تم پر

صاحب قِران : گو کہ پلتے ہیں لاکھوں مرے گھر
اور مطلق نہیں بار مجھ پر

۱- مثنوی - دھن پرج - تال حاجر - طرز : ''ابا جان عرض کرتے ہیں آداب''

پر بٹھا رکھنا اب تجھ کو پیاری
میری طاقت سے بالکل ہے باہر

انجمن آرا : جب تو ہوتی ہوں اب میں روانہ
پر مجھے جلد واپس بلانا
عید پر آ کے میں لوں گی عیدی
بھول مجھ کو کہیں تم نہ جانا

جان عالم : ہوتا رخصت ہوں میں سر جھکا کے
وقت پر یاد رکھیے دعا کے
فکر بیٹی کی اپنی نہ کیجے
میں تو تابع ہوں اس دلربا کے

صاحب قران : جاؤ اللہ حافظ دل آرا
ہر جگہ آس کا تم کو سہارا
تم مع الخیر پہنچو وطن کو
ہوں دعا گو میں ہر دم تمہارا

[جان عالم و انجمن آرا کا دو زانو ہو کر صاحب قران
کے ہاتھوں کا بوسہ لینا]

پردہ چھٹا

باغ ملکہ

(پردہ نمبر ۱۱)

[ملکہ مہرنگار کا فراق جانِ عالم میں بےقرار اور
خواصوں کا پیچھے کھڑے نظر آنا] ۔

مہرنگار : غزل[۱]

ترے ہجر کا رنج و غم جانِ عالم
سہیں کب تلک روز ہم جانِ عالم
مریں تجھ پہ ہم غیر پر ہو تو مائل
ستم ہے ، ستم ہے ، ستم جانِ عالم
گئی جاں ہماری تو پھر کس کی جاں کی
تو کھائے گا جھوٹی قسم ، جانِ عالم
چلا دم ہمارا ، بچاتا نہیں کیوں
تو کیسا ہے عیسیٰ دم ، جانِ عالم

[خواجہ سرا کا ماہ طلعت و میموں خصال کو باہر
کھڑے کر کے ، بھیک مانگنے آنا]

۱۔ دھن پیلو ۔ تال چاچر ۔ طرز : ''مرادیں ملیں گھر میں بیٹھے ہی بارے''

خواجہ سرا : **لاؤنی**[1]

ُبوا خدا بھلا کرے تیرا
کر سوال پورا میرا
نہیں بھوک سہے میری اب جاتی
دے پراٹھا یا کہ چپاتی
خشکہ قلیہ اگر ہے پکاتی
دے مجھے جو تو ہے کھاتی
دال یا دلیہ کچھ بھی دے
دعا میں دوں گا تجھے کھا کے
ُبوا تو ثواب اتنا لے
نہیں تو موت کا ہوگا پھیرا ــ کر سوال

مہرلگار : **گانا**[2]

اسے سکھیو کھانا کھلانا
اس کو گھر لے کے جانا ــ اسے
یہ کوئی بڑے گھر کا خواجہ سرا ہے
بھوک سے ہوگا دیوانہ ــ اسے

خواجہ سرا : ایک عورت بھی ہے بےکس میرے ساتھ
کھانے پر تنہا بڑھاؤں کیسے ہاتھ

مہرلگار : جا کے اس عورت کو بھی لے آئیے
بیٹھ کر پھر دونوں کھانا کھائیے

۱- دھن کالنگڑا ، تال قوالی ـ طرز : ''حل بات چھوڑ دے''
۲- ٹھمری ـ دھن پیلو ـ تال چاچر ـ طرز : ''کیوں رے کھڑا ہندوستانی''

خواجہ سرا : صدقے جاؤں ، اُس کو لے آتا ہوں میں
بندگی لو ، بندگی ، جاتا ہوں میں

[خواجہ سرا کا جانا]

پہلی خواص : شکل تو کالی ہے لیکن اس کا نقشہ خوب ہے
مرد اگر یہ ہو بھلا تو مجھ کو کیا مرغوب ہے

دوسری خواص :
پھر لگی تو چلنے اے خیلا یہ آڑی مجھ سے چال
کس کا دل اس پر گیا ہے ، منہ گریباں میں تو ڈال

[خواجہ سرا کا ماہ طلعت کو لے آنا]

پہلی خواص : کیا ہے، اے صاحب! یہ عورت آپ کی ہے دلربا

دوسری خواص :
پھوٹی قسمت کی یہ باتی ہوگی کیا اس سے مزا

خواجہ سرا : دیکھیے بیگم خواصیں ہیں یہ کتنی بد لگام
میں ہوں خود عورت سے بدتر کیا مجھے عورت سے کام
بس یہ میری ملکہ میں ادنٰی ہوں ان کا اک غلام
شوہر ان کا جانِ عالم شاہزادہ نیک نام

مہرنگار : جانِ عالم کون ؟

خواجہ سرا : جو فیروز شہ کا ہے پسر -

ماہ طلعت : ڈھونڈتی اُس یار کو، میں پھر رہی ہوں در بدر

مہرنگار : جانِ عالم ، جانِ عالم ، جانِ عالم ہے تو ہی
سب تو ہیں قالب تہی، جانِ جہاں دم ہے تو ہی

ہائے دل میرا وہی تو لے گیا ہے چھین کر
اُس کی ہی تیغِ محبت سے ہوں میں خستہ جگر

[سہرنگار کا ماہ طلعت کو عزت سے اپنے پاس بلانا]

مہرنگار : آؤ بیٹھو اے بہن ! تم تو مری ہمشیر ہو
خواجہ سرا : چاہیں تو یہ بیٹھیں ، لیکن مجھ کو کھانا جلد دو
مہرنگار : اے بہن ! اب چل کے کچھ نوش آپ بھی فرمائیے
ماہ طلعت : وہ کھلانے والا ہے اپنا نہیں ، کیا کھائیے

کھاتے ہیں لختِ جگر اور خونِ دل پیتے ہیں
جیتے ہیں تو کس مزے سے ہم دمو ، جیتے ہیں

خواجہ سرا : جی حلا ہے میرا کب سے کھانا کھانا کرتا ہوں
دیتی ہو تو دو بوا جی ، ورنہ میں تو مرتا ہوں
مہرنگار : اے خواصو اس کو تم لے جاؤ باورچی کے پاس
خواجہ سرا : واری جاؤں میں ، خدا بر لائے تیرے دل کی آس

[سامنے میمون خصال کو دیکھ کر]

خواجہ سرا : ارے میمون خصال آ کیوں ہے تو باہر کھڑا
یہ تو بیگم اپنے شہزادے ہی کی ہے آشنا

[میمون خصال کا آنا]

ٹھہر اپنی بانو کے نزدیک اے میمون خصال
کھانا کھا لوں تھوڑا میں ہو تا کہ میرا جی بحال
جانِ عالم کی میں کرنے جاؤں گا پھر جستجو
ساتھ ہی اُس کے اب آؤں گا تمھارے روبرو

[خواجہ سرا کا جانا ، ماہ طلعت کا آنسو بہانا]

مہر نگار : غزلیات[1]

کرو گی کہاں تک بھلا آہ و زاری
کرو صبر اے میری ہمشیر پیاری
مجھے بھی وہ آزار ہے جو تمھیں ہے
زیادہ ہوئی کیوں تمھیں بے قراری
ہمیں تم دلاسا دو ہم تم کو تسکیں
کہ بہلے طبیعت ہماری تمھاری

ماہ طلعت : درِ دل پہ جب غم نگہبان بیٹھے
تو اس گھر میں پھر کیسے صبر آن بیٹھے
نہیں کرتا پروا ہے وہ شعلہ رو کچھ
جلایا کرو اپنی تم جان بیٹھے
اسی بے وفا بت کی اُلفت میں تنہا
ارے کھو کے ہم دین و ایمان بیٹھے

[ماہ طلعت کا رونا میموں خصال کا مہر نگار
کی خوبصورتی دیکھ کر متعجب ہونا]

میموں خصال : (خود بخود)

قوم آدم سے ہے یا یہ خاص ہے جنت کی حور
ہے فزوں خورشید سے بھی اس کے رخساروں کا نور
جان عالم پر ہی سب مرنے لگے نزدیک و دور
مجھ پہ کیوں عاشق نہیں ہوتی ہے کوئی بے شعور
یا الٰہی کون سا ایسا کیا میں نے قصور

[خواجہ سرا کا ناچتے گاتے نظر آنا]

۱- دھن کلیان ۔ تال چاچر ۔ طرز : ''کروں کا فرو کیسے میں بت پرستی ۔''

خواجہ سرا : گانا[1]

کیوں ہو آزردہ دل تم اے بیگم جان بیگم جان — کیوں
واری میں جاؤں صدقے میں جاؤں
دور غم کو کر کے ہو اب شادماں شادماں — کیوں
آئے ہیں بالم یعنی جانِ عالم
ہوتے رونق افروز ہیں ، اسی آن اسی آن — کیوں
وہ ماہ پارہ انجمن آرا
شاہزادے کے ساتھ ہے دلستاں دلستاں — کیوں

[جانِ عالم کا مع انجمن آرا کے آنا اور سہر نگار کو گلے لگانا]

جانِ عالم : او مری دلدار اور سہر نگار
سہر نگار : ہجر میں تھی آپ کے میں بے قرار

[میموں خصال کو دیکھ کر]

جانِ عالم : کیا یہاں موجود ہے تُو بھی شفیق
میموں خصال : آپ ہی کی جستجو میں اے رفیق
ماہ طلعت : اک نظر مجھ پر بھی رشکِ حور ہو
جانِ عالم : دور ہو ، دور ، اے مغرور ہو

[ماہ طلعت کا جان عالم کے پیروں پر سر دھرنا ،
جانِ عالم کا ٹھوکر مار کر اُس کو دور کرنا
ماہ طلعت کا بےخود ہو جانا ۔ اہلِ محفل
کا حیرت میں آنا]

[دوسرے ایکٹ کا اختتام پانا ۔ ڈراپ سین
کا گرایا جانا]

۱۔ ٹھمری ۔ دھن جھنجوٹی ۔ تال کہروا ۔ طرز : ”میں توکر کے آئی بائی اپنا کام کام کام ۔“

باب تیسرا

پردہ پہلا

جنگل

(پردہ نمبر ۱)

[جانِ عالم اور میموں خصال کا شکار کو جانا]

میموں خصال : ماہ طلعت کو کیا دور یہ اچھا نہ کیا
جان کھوئے گی وہ رنجور یہ اچھا نہ کیا

جانِ عالم : تھی وہ مغرور اُسے دور کیا خوب کیا
ایسی سرکش کو جو مجبور کیا خوب کیا

میموں خصال : آپ کی مرضی ہو تو کیسے میں تکرار کروں
دو اجازت تو عرض اپنی اک اظہار کروں

جانِ عالم : شوق سے اپنی عرض کا ابھی اظہار کرو
میں تمھیں چاہتا ہوں ، مجھ سے نہ انکار کرو

میموں خصال : کیمیا علم ہے کیا ، مجھ سے یہ ظاہر تو کرو
کیا کرامت ہے وہ ، بندے کو بھی ماہر تو کرو

جانِ عالم : مردہ ہوتا جو برادر کوئی جاندار یہاں
تجھ سے اُس علم کو کر دیتے ہم اظہار یہاں

[میموں خصال کا ایک مرے ہوئے بندر کو دکھانا]

میموں خصال :

دیکھو بندر تو موا ایک پڑا ہے صاحب
نہ تو زخمی ، نہ گلا ہے ، نہ سڑا ہے صاحب

جانِ عالم : اس کے قالب میں لیے جاتا ہوں اب جان اپنی
تجھ کو دکھلاؤں کرامت ، میں اسی آن اپنی

[جان عالم کا اسم پڑھنا]

میموں خصال (خود بخود) :

جان جب قالب میں اس بندر کے یہ لے جائے گا
موقع اس کی جان لینے کا مجھے ہاتھ آئے گا

[جان عالم کا علم کے زور سے مردہ ہو کر زمین پر گرنا اور بندر کا جانِ عالم کی جان پا کر چلنا پھرنا]

بارک اللہ کیا ہی عمدہ علم ہے یہ مرحبا
خیمے میں شہزادیوں کو اس طرح ہی دلربا
جا کے تم ان کو ڈراؤ ، تو تماشا ہے عجب
لاش لے کر آپ کی آتا ہوں میں عالی نسب

[بندر کا دوڑتے ہوئے جانا]

جا کے اب اس لاش کو دریا میں کروں غرق میں
قتل میں بندر کے ہرگز نہ لاؤں فرق میں

[میموں خصال کا لاش لے کر جانا]

پردہ دوسرا

ساحلِ دریا

(پردہ نمبر ۱۲)

[لبِ ساحل خیمے کے باہر فرش پر مہرنگار کا
انجمن آرا کے زانو پر سر دھرے لیٹے نظر آنا
اور نیند میں بڑبڑانا]

مہرنگار (نیند میں) :

مرے سر پڑے اُس کی آئی بلا
سلامت رہے پر مرا دِل رُبا

انجمن آرا : بہن آج کترا رہی ہو یہ کیا
ذرا کہیے اُٹھ کر ہے کیا ماجرا

[مہرنگار کا چونک اُٹھنا]

مہرنگار : الٰہی یہ کیا میں نے دیکھا ہے خواب
مرا جانِ عالم ہوا غرقِ آب
موا سمون اُس کے ہوا بیر میں
دعا مانگو شہزادے کی خیر میں

[دونوں کا دو زانو ہو کر دعا مانگنا ـ نندر کا آنا اور
دونوں کا گھبرانا ـ سیموں حصال کا شمشیر ہاتھ میں
لیے ہونے نندر کو مارنے کے لیے بڑھنا]

میموں خصال : ترے ہی سبب آہ خانہ خراب
مرا شاہزادہ ہوا غرقِ آب
نہ زندہ تجھے چھوڑوں زنہار میں
ترے حلق پر پھیروں تلوار میں

[بندر کے گھبرانے سے مہرنگار کا بیخود ہونا ، بندر کا
بھاگ جانا ، میموں خصال کا اُس کے تعاقب
میں قدم بڑھانا ، خواجہ سرا کا
آنکھ ملتے آنا]

خواجہ سرا : بوا کیا مچا ہے یہ اودھم بھلا ؟
مری آنکھ ابھی تو لگی تھی ذرا
کئی دن سے میں نے نہ پائی تھی نیند
موئی آج ہی آجڑی آئی تھی نیند
یہی وقت تم کو ملا شور کا
کہو کیا گزر یاں ہوا چور کا ؟

انجمن آرا : خدا کی پڑے نیند پر تیری مار
خبر شاہزادے کی لے نابکار
یہ سنتے ہیں وہ غرقِ دریا ہوا
ارے ہائے ہم پر ستم کیا ہوا

خواجہ سرا : نہ غم کھاؤ بی‌بی میں لاؤں خبر
موئے میموں کا جا کے چیروں جگر

[خواجہ سرا کا جانا ، میموں خصال کا آن کر انجمن آرا
کو زبردستی اٹھا لے جانا ، انجمن آرا کے چیخنے
سے مہرنگار کا ہوش میں آنا]

مہرنگار : نہ تجھ کو اگر اے صنم پاؤں گی
قسم ہے خدا کی کہ مر جاؤں گی

[خواجہ سرا کا جان عالم کی لاس کو لے آنا اور مہرنگار
کا لاش کو زانو پر رکھ کر واویلا مچانا]

مہرنگار : **گانا**[1]

ہائے رے کہوں نہ میں سر کو پٹکوں
ایسی سولی پہ جب غم کی لٹکوں
ہائے رے ہائے آو جانِ عالم
ہائے رے ہائے او میرے بالم
کس طرح سے میں اب روتی اٹکوں
ایسی سولی پہ جب غم کی لٹکوں
وائے ویلا نہ کہوں کر پکاروں
کس طرح سر زمیں پر نہ ماروں
کسیے بال اور زلفیں نہ جھٹکوں
ایسی سولی پہ جب غم کی لٹکوں

[بندر کا آنا ، جان عالم کی روح کا پھر اپنے قالب میں جانا ۔
جان عالم کا زندہ ہو کر مہرنگار کو گلے سے
لگانا اور انجمن آرا سے استفسار فرمانا]

جانِ عالم : سب تو ہیں پر انجمن آرا مری جاں ہے کہاں

۱۔ ہولی ۔ دھن اساوری ، تال حاچر ۔ طرز : ''آپ کا ہے سدا ہم پہ سایہ ۔''

رنگار : غش مجھے آیا تھا جب تو تھی وہ اے جان جہاں

اجہ سرا : واری تم پر حادثہ کیا گزرا ہم سے کہیے حال

ن عالم : بند ہے بے انجمن آرا کے میری قیل و قال

[جانا چاہنا جانِ عالم بے قرار کا اور اُسے روکنا خواجہ سرا
و سحرنگار کا]

پردہ تیسرا

جنگل

(پردہ نمبر ۱)

[میموں خصال کا انجمن آرا کو کھینچے لانا]

انجمن آرا : ارے چھوڑ پاجی مرا ہاتھ تو
کہاں لے چلا ہے مجھے ساتھ تو
نہ کر دور مجھ کو مرے یار سے
خدا را ملا جلد دلدار سے

میموں خصال : غزلیات[1]

دوستی تجھ کو ہوئی ہے خوش نصیبوں کی پسند
کیوں کرے چاہت تو پھر ہم سے غریبوں کی پسند
دوست کو تم چھوڑ کر دشمن پہ کیوں دیتی ہو جان
اے حبیب! الفت کرو ہم سے حبیبوں کی پسند
اے مسیحا! ہوں ترا بیمار، میرا کر علاج
اب دوا آتی نہیں مجھ کو طبیبوں کی پسند

۱۔ دھن کوسیا، تال پشتو۔ طرز: "تجھ کو غیروں سے نہ ملنا اے ستمگر چاہیے۔"

رونقِ گلزارِ عالم ہو گلِ یکتا ہو تم
چاہ اپنے دل کو ہے تم سے عجیبوں کی پسند

انجمن آرا[۱] :

ایک مادر ، اک پدر ہے ، اک خدا ہے ، ایک دوست
مذہبِ عشّاق میں تو بس روا ہے ایک دوست
ایک دل جو دس کو دے وہ بوالہوس عاشق نہیں
قیس اور فرہاد نے بھی تو کہا ہے ایک دوست
دوستی کس طرح سے میں چھوڑ دوں اُس دوست کی
چھان مارا ہے زمانہ تب ملا ہے ایک دوست
کاملِ ملّت کے آگے دوست ہے سب سے عزیز
کیونکہ خالق بھی تو کہلاتا ہے سب کا ایک دوست

میموں خصال :

دھان اُس کا چھوڑ دے تو سب میسر ہے تجھے
اُس سیہ صورت کا غم کیوں ماہِ انور ہے تجھے

انجمن آرا :

مجھ کو پروا اب کسی شے کی نہیں او بدخصال
دھان میں اُس دلربا کے جاؤں مر ، ہے یہ خیال
اے سیہ رو ! جانے تو کیا اُس کا حسنِ باکمال
شپّرہ خورشید کا کب دیکھ سکتی ہے جمال
چھوڑ مجھ کو ، جانے دے للہ تلاشِ یار میں
ورنہ مر جاؤں گی ناحق ہجر کے آزار میں

۱۔ طرز ، ایضاً ۔

میموں خصال :

واسطے تیرے ہوا ہوں کس قدر حیران میں
عاشقِ صادق ہوں ، چھوڑوں کیسے تیرا دھیان میں
جی سے تجھ کو مار کر دیتا ہوں اپنی جان میں
تاکہ پاؤں ساتھ تیرے قبر کا ایوان میں

[انجمن آرا کا بھاگنا چاہنا ، میموں خصال کا جھٹکا دے کر زمین پر پٹکنا]

جاتی ہے گھبرا کے تو کس سمت میرے ساتھ سے
ہے رہائی حشر تک دشوار میرے ہاتھ سے

[شہپال کا آنا اور میموں خصال کو جانِ عالم سمجھ کر زمین پر گرانا ، پھر اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھنا]

شہپال : کہاں تک بھلا فتح تو پائے گا
مرے ہاتھ سے اب کہاں جائے گا
مرا توڑ کر قلعہ او نابکار!
چھڑائی مری تو نے یہ گل عذار
کروں تیرے سینے کو خنجر سے چاک
کہ تا یہ جہاں تجھ سے ہو جائے پاک

[شہپال کا میموں خصال کے سینے پر خنجر مار کر انجمن آرا کی گردن پکڑنا ، میموں خصال کا تڑپنا]

مرے ہاتھ سے چھٹ گئی بےحیا
مگر کس طرح دیکھوں ہوگی رہا

[شہپال کا انجمن آرا کو اٹھا لے جانا]

میموں خصال :

ہارے رہے پورا اب تو کام ہوا
زخمِ کاری سے میں تمام ہوا
کس لیے میں نے بے وفائی کی
آبرو کھوئی ، آشنائی کی

اگر مجھ سا کوئی گنہگار ہو
مجھے دیکھ کر وہ خبردار ہو
کہ آیا برائی سے کیا میرے ہاتھ
چلا ہاتھ خالی ، نہیں کچھ بھی ساتھ
میں مرتا کبھی نیکی کرکے اگر
تو کہلاتا دنیا میں کیوں بدگہر
یہ دو دن کے جینے ہی کی تھی آمد
جہنّم کیا میں نے نا حق خرید
نہ کرنا خدا کے لیے کام بد
کہ یارو بدی کا ہے انجام بد

[میموں خصال کا مر جانا]

پردہ چوتھا

چبوترہ حوض

(پردہ نمبر ۵)

[انجمن آرا کا بے جان پُتلے کی طرح سے حوض میں کھڑی
اور شہپال کا بندر کی شکل میں سوتا نظر آنا ۔
جانِ عالم کا سیر کرتے ہوئے داخل ہو کے
انجمن آرا کو دیکھ کر گھبرانا]

جان عالم :

یہ کیا دیکھتا ہوں میں تالاب میں
کہ ہے انجمن آرا گرداب میں
یہ بندر ہی شہپال ہے نابکار
کروں مچھ بن کر دل اس کا فگار

[جان عالم کے لوح سلیمانی پڑھنے سے زمین کا شق ہو جانا
اور اُس میں جان عالم کا سمانا ، پھر وہاں سے نشکل
جرس نکل کر بندر کو مار ڈالنا اور زمین میں
دوبارہ سما کر اپنے تئیں اصلی صورت میں
دکھانا ۔ انجمن آرا کا زندہ ہو جانا اور
جان عالم کے پاس دوڑی آنا]

انجمن آرا : **غزل**[1]

صد شکر ہوا پھر مجھے دیدار تمھارا
تھا دھیان اجی مجھ کو تو ہر بار تمھارا
انگاروں پہ میں لوٹتی تھی ہجر میں صاحب
یاد آتا تھا جب پھول سا رخسار تمھارا
صد شکر کہ مشکل ہوئی آسان چلو اب
حافظ ہے خدا میرا ، مددگار تمھارا

[دونوں کا بغل گیر ہونا]

۱۔ دھن سارنگ ، تال دادرا ۔ طرز : "لو جلد خبر مرتا ہے بیمار تمھارا ۔"

باب تیسرا

پردہ پانچواں

گہرا جنگل

(پردہ نمبر ۲)

[خواجہ سرا کا روتے پیٹتے آنا]

خواجہ سرا: **گانا**[1]

تھکی جان جاؤں کہاں ، بیٹھوں یہاں ، بھٹکا جہاں

— جاؤں

شیر غرّایا ، کتا بھونکا ، ڈر ہے ڈر کا ڈول
کولا کولا جی ہے میرا ، کیوں نہ کھاوے ہول

— تھکی

بھینسا سر ہے ، بھوت کہیں ہے ، ہے کہیں چڑیل
ڈر ہے مجھے قبر میں نہ دے کوئی ڈھکیل

— تھکی

[ساحرہ کا آنا اور خواجہ سرا کو ایک خوبصورت مرد سمجھ کر اُس پر فریفتہ ہو جانا]

۱۔ ٹھمری ۔ دھن ضلع ، تال دادرا ۔ طرز : ''مذم صاحب لا بیان بولو ۔''

ساحرہ : گانا[1]

مجھے ملا صنم پیارا ، تو دل آرا
سدا صدقے ہوں گی تجھ پہ ، سہوں گی ناز ترا سارا
—— مجھے

خواجہ سرا : (خود بخود)

یہ کہاں سے بلا آئی ، ارے مائی !
جس کی صورت دیکھ کے جان میرے تن میں گھبرائی

ساحرہ :

کیا سوچتا ہے پیارے ، ارے ارے
کیا پسند آئے تجھ کو میرے چمکتے رخسارے

خواجہ سرا : (خود بخود) جھول

تری صورت پر لاحول

ساحرہ : دیکھ کیسا ہے مرا ڈول

خواجہ سرا : کوئی چڑیل ہے یا غول

ساحرہ : نقشہ حور کا ہے سارا —— تو دل آرا

خواجہ سرا :

ترے منہ پہ لعنت ہے او فاحشہ !
مجھے تجھ سے نفرت ہے او فاحشہ !

۱۔ لاؤنی ۔ دھن سارنگ ، تال قوالی ۔ طرز : ''کیا ٹھمک چال چلی ۔''

ساحرہ : تجھے مجھ سے نفرت ہے او بدگمان
تو پھر کیوں نہ لے لوں میں اب تیری جان

[ساحرہ کا خواجہ سرا کو زمین پر گرانا ، جان عالم اور انجمن آرا کا آنا ۔ جان عالم کا ساحرہ کو زمین پر پٹک کر اُس کی چھاتی پر چڑھنا اور خنجر مارنے کا قصد کرنا]

جان عالم : کروں کیوں نہ اب تیرا سینہ فگار
ساحرہ : نہ للہ شہزادے تُو مجھ کو مار
خواجہ سرا : نہیں جانِ عالم ، کرو جلد وار
جانِ عالم : یہ بے کس تو خود ہے مخنّث گنوار
ستم اس پہ ڈرتی تھی تو بدشعار
ساحرہ : دوا اک کرتی ہوں میں آشکار
جان عالم : وہ کیا ہے دوا جلد کہہ نا بکار
ہو جس سے یہ نامرد بھی مرد یار
خواجہ سرا : ایسے حب دو دو چھوڑ اے شہریار
جان عالم (انجمن آرا سے) :
صلاح آپ کی کیا ہے اے گل عذار !
انجمن آرا : دغا کے نہ کرنے کا لے لو قرار
جان عالم : دغا تو نہ مجھ سے کرے زینہار
ساحرہ : قسم ہے سلیماں کی اے ذی شعار !

خواجہ سرا : لو خواجہ سرا مرد ہوتے ہیں یار

[جان عالم کا ساحرہ کے قتل سے درگزر کرنا ،
ساحرہ کا اپنی کمر سے دوا کی شیشی نکال کر
خواجہ سرا کے حوالے کرنا]

ساحرہ :

تو تین تولے اس سے گن ، کھانا برابر تین دن
ہوگا ذرا سولہ کا سن ، آئے نہ کل عورت کے بِن

[ساحرہ کا جانا]

خواجہ سرا :

ہرگز نہ پھر تو کھاؤں میں ، عورت کہاں سے لاؤں میں
ناحق کہیں مر جاؤں میں ، مستی میں جس دم آؤں میں

جان عالم :

او مسخرے ہرگز نہ ڈر ، ہم دیں گے تجھ کو مال و زر
دس بیس سے تو بیاہ کر ، رہ عیش میں آٹھوں پہر
چل اب تو جا کر زود تر ، میرے پدر کو دے خبر
میں مہر کے جا خیمے پر ، لے آتا ہوں اس کو مگر

خواجہ سرا : کچھ ماہ طلعت کا خیال ؟

جان عالم : ہے نام سے اس کے ملال

انجمن آرا : کیا ہوگا اس بے کس کا حال

جان عالم : جا جلدتر بے قیل و قال

[خواجہ سرا کا جانا ، سب کا بعزم روانگی قدم اٹھانا ۔
ماہ طلعت کا آن کر جان عالم کے دامن کو پکڑنا
اور دو زانو ہو کر عاجزی اُس کے
پاؤں سے ناک رگڑنا]

ماہ طلعت : **گانا**[1]

خفگی سے تری موئی پیارے میں
حا ہے قسم تُو اس آن لے ـــــ خفگی

چھوڑ نہ تو مجھے اے مرے شوہر
اپنی کنیز اب جان لے ـــــ خفگی

دھرتی ہوں قدموں پر میں ترے سر
عرض میری یہ مان لے ـــــ خفگی

انجمن آرا : **گانا**[2]

او ظالم کر تو دھیان
ترے لیے لاکھوں صدمے سہی ہے
صدقے تجھ پر ہو کے رہی ہے
بلکہ ہے دیتی جان ـــــ او ظالم

چاہنے والی ہے تری ہر حال
کر نہ اسے پامال

۱۔ پد ۔ دھن بروا ، تال پنجابی ٹھیکہ ۔ طرز : "بنتی یہ موری سنو پیارے رے ۔"

۲۔ ٹھمری ۔ دھن ہمیر کلیان ، تال پنجابی ٹھیکہ ۔ طرز : "او پیارے مان ماں ۔"

جلد گلے سے اس کو لگا لے
ہے یہ مجھے ارمان — او ظالم

جانِ عالم : ہوں تابع میں اے جان
حکم کی تیرے تھی انتظاری
فرمایا جو تم نے پیاری
لاؤں بجا فرمان — ہوں تابع

آ اے عاشق صادق میری
قدر کروں تیری
اپنے ستم کی مانگوں معافی
چاہوں تجھے ہر آن — ہوں تابع

[جان عالم کا ماہ طلعت کو گلے سے لگانا اور سب کا جانا]

پردہ چھٹا

محل فیروز بخت

(پردہ نمبر ٦)

[فیروز بخت کا بحر ِحان عالم میں تلملانا اور وزیر و کوتوال
کا آنسو بہانا]

فیروز بخت : **غزل[1]**

کچھ باقی نہیں رہتا ہے آرام جگر کا
دشمن کو نہ دکھلائے خدا داغ پسر کا
تاریک جہاں ہے ، نہیں آنکھوں میں بصارت
غائب ہوا جس وقت سے وہ نور نظر کا
وہ زندہ نہیں ہے تو مجھے موت دے یارب
اب رنج سہا جاتا نہیں سام و سحر کا

[خواجہ سرا کا ناچتے آنا]

خواجہ سرا : **گانا[2]**

دینے مژدہ تم کو آیا ، شاد ہو جاؤ
شادی کا دن تم نے پایا شاد ہو جاؤ —— دینے

۱۔ دھن بھیرویں ، تال دادرا ۔ طرز : "مرتا ہوں درے ہجر میں اے یار خبر لے ۔"
۲۔ گربی ۔ دھن سارنگ ، تال کہروا ۔ طرز : "لاگ جائے گی رے گجبی ۔"

جان عالم پیارا آیا ، شاد ہو جاؤ
بیبیاں بھی تین لایا ، شاد ہو جاؤ ـــ دینے

[جان عالم کا مع سپہر نگار و انجمن آرا و ماہ طلعت کے
آنا ، فیروز بخت کا اس کو گلے سے لگانا]

فیروز بخت : غزلیات[1]
ہوا جب سے تھا گم تو اے گل عذار
نہ تھا ایک پل میرے دل کو قرار
پسر سے ملا دے مجھے اے کریم
یہی تھی دعا میری لیل و نہار

جانِ عالم : مجھے دور کب ہونا منظور تھا
پدر عشق سے میں تو مجبور تھا
پھرا دیرِ عالم میں جس کے لیے
صنم وہ یہی غیرت حور تھا

[انجمن آرا کو دکھانا]

ماہ طلعت : ذرا اے خسر دیکھیے میرا حال
پسر نے کیا آپ کے پائمال
گئی بھول پر میں وہ سب رنج و غم
ہوا مہرباں جب یہ صاحب جمال

فیروز بخت : برابر مری تینوں دختر ہو تم
نہ گھر میرے اک پل بھی مضطر ہو تم

۱- دھن کلیان ، تال چاچر ـ طرز : "تو رشک پری غیرت حور ہے ـ"

ملا لو اب آپس میں سب اپنے ہاتھ
شگفتہ سدا اے گل تر ہو تم

[فیروز بخت کا تینوں کے ہاتھ باہم دگر ملوا دینا]

گانا[1]

نصیب خوش قریب بخت سخت دور ہے
قلق ادق بحقِ سرور کافور
ز فرش تا بہ عرش سرور ہی کا نور ہے
فلک پہ خوش ملک ارم میں شاد حور
شاد بادشاہ شاہزادہ شاد ہے
ہے شادی کا ہجوم خوشی کی دھوم دھام
خدا کے فضل سے ہر ایک بامراد ہے
یہ کھیل اب ہوا اے صاحبو تمام

[تماشے کا اختتام ہونا ۔ ڈراپ سین کا گرایا جانا]

۱۔ انگریزی وزن ۔ دھن سندھڑا ، تال دادرا ۔ طرز : ”چیر بوائز چیر
۔ (Cheer Boys Cheer)